جلد ۷۳ — ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۵۴ء — عدد ۵

مضامین

شذرات

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے،

افسوس ہے کہ گذشتہ ہفتہ فرنگی محل لکھنؤ کی ایک محبوب شخصیت اور عزیز یادگار اٹھ گئی، اور ۲۹ شعبان کو مولانا قطب الدین عبد الوالی نے اس دار فانی کو الوداع کہا، وہ مولانا عبد الباری مرحوم کے بھتیجے، داماد اور جانشین تھے، ان کی ذات میں اُن کے اسلاف کرام کی بہت سی خوبیاں جمع تھیں، تعلیم کی تحصیل و تکمیل مدرسۂ نظامیہ میں اور اپنے محترم چچا سے کی تھی، اس کے بعد کچھ دنوں تک مدرسہ نظامیہ میں درس و تعلیم کی خدمت انجام دی پھر تحریک خلافت کے زمانہ میں جب فرنگی محل مسلمانوں کی قومی و ملی جد و جہد کا مرکز بنا، تو قطب میاں بھی اس میں شریک ہوگئے، اور خلافت کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا، وہ اودھ خلافت کمیٹی کے صدر تھے، اسی زمانہ میں انھوں نے جمعیۃ العلماء کے بعض اجلاسوں کی بھی صدارت کی، مولانا عبد الباری مرحوم کی وفات کے بعد انجمن خدام الحرمین کے صدر ہوگئے، اور مسلمانوں کے قومی و ملی کاموں میں بھی وقتاً فوقتاً حصہ لیتے رہے، مگر ادھر چند سال سے سیاسی تغیرات اور ملک کے حالات کی وجہ سے سیاست سے کنارہ کش ہوگئے تھے، اور تھوڑے دنوں سے صحت کی خرابی کی بنا پر بالکل خانہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی،

اُن کی ذات بہت سی اخلاقی خوبیوں کی حامل تھی، اور قدیم خاندانی روایات تو انھی کے دم سے قائم تھیں، اخلاق و شرافت، فیاضی و مہمان نوازی، قدامت و وضعداری، خاندانی تعلقات کے لحاظ و احترام وغیرہ میں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر تھے، اور ان میں مولانا عبد الباری مرحوم کی فقیرانہ شان امارت کے جلوے نظر آتے تھے، خاندانی سجادہ انھی کے دم سے آباد تھا، مگر دنیا کی کسی چیز کو ثبات و قرار نہیں، اور اس زمانہ

میں تو ہر قدیم اور برگزیدہ یادگار قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی ہے، اس لئے فرنگی محل کی دنیا بھی بالکل بدل گئی ہے اور ہر طرف سناٹا نظر آتا ہے، مگر اب بھی اس ویرانہ میں اخلاق و شرافت کی ایک شمع جھلملاتی تھی، ادھر برسوں سے وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، مگر اس سے پہلے جب کبھی جانا ہوتا تھا تو قطب میاں سے مل کر سلف صالح کے خلق و شرافت اور مہر و محبت کی تصویر سامنے آجاتی، اور بے اختیار زبان سے نکلتا کہ

داغِ دل ورنجانگاہ نگاہ ہر جانی می گرد — خدا آباد وارد این خرابات محبت را

افسوس کہ یہ خرابۂ محبت بھی مٹ گیا،

ادھر عرصہ سے اُن کی صحت خراب رہتی تھی، مگر اس حادثہ کا وہم و گمان بھی نہ تھا، اسکی اطلاع دفعۃً ملی، ابھی پورے ساٹھ سال کی بھی عمر نہ تھی، ان کی ذات پر خاندان فرنگی محل کی بہت سی روایات کا خاتمہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے طفیل میں اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے، اب اس مرکز علماء میں صرف مفتی عبد القادر صاحب اور مولینا صبغۃ اللہ شہید یادگار سلف باقی رہ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں کو تا دیر صحیح و سلامت رکھے اور جمال میاں سلمہ کو اُن کے اسلاف کا صحیح جانشین بنائے،

اس وقت پارلیمنٹ میں ہندوؤں کی شادی اور طلاق کی اصلاح کے لئے ایک بل پیش ہے، اس قسم کے قوانین ہندو سماج کی اصلاح کیلئے ضروری ہیں کہ ان کے بغیر اس کی خرابیاں دور نہیں ہوسکتیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی فرقہ کے لئے کوئی ایسا قانون نہ بننے پائے جس سے دوسرے فرقوں کے پرسنل لا پر اثر پڑے گو اس بل میں اس قانون سے مسلمانوں، عیسائیوں، پارسیوں اور یہودیوں کو ایک حد تک مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، مگر اس استثنا میں وہ مسلمان، عیسائی، پارسی یا یہودی شامل نہیں ہیں جو کسی ہندو قانون یا ہندو رسم و رواج کے پابند ہونگے یعنی اُن میں سے جو لوگ کسی ہندو رسم و رواج کے پابند ہیں، ان پر یہ قانون نافذ ہوگا، اور خواہ وہ مذہباً ہندو نہوں، مگر اس قانون کے نفاذ کی حد تک ان کو ہندو تصور کیا جائے گا، جو کسی حیثیت سے بھی صحیح نہیں ہے،

ہندوستان کے بہت سے مسلمانوں خصوصاً ان کے پسماندہ طبقوں میں بہت سے ہندوانہ رسم و رواج جاری ہیں، یہ سب کے سب اس قانون کی زد میں آجائیں گے حالانکہ یہ تو ان کی معاشرتی خرابی کا نتیجہ ہے جسکی اصلاح کی ضرورت ہے، نہ کہ اسکو صحیح مان کر ان پر ہندو قانون نافذ کر دیا جائے، یہ تو مسلمانوں کے پسماندہ طبقوں کو ہندو بنانے کی ایک شکل ہوگی، اس قسم کے قوانین تو انگریزوں کے زمانہ میں بھی نہیں بنائے گئے جنکا اثر کسی فرقہ کے پرسنل لا پر پڑتا ہو، انگریزوں نے ہر فرقہ کے پرسنل لا کا پورا احترام کیا، اس لئے اس بل کی اس دفعہ کو بدلنے کی ضرورت ہے،

اسی طریقہ سے بعض اور دفعات بھی قابلِ اعتراض ہیں، مثلاً یہ کہ اس قانون کی رو سے ہر اس قانونی اور غیر قانونی لڑکے کو جس کے والدین میں سے کوئی ایک ہندو ہوگا، ہندو سمجھا جائے گا، یا یہ کہ تبدیلی مذہب کی صورت میں صرف اس فریق کو علحدگی کی درخواست دینے کا حق ہوگا، جو ہندو ہوگا، اگرچہ اسلامی قانون کی رو سے ہندو مسلمان کے درمیان رشتۂ مناکحت نہیں ہو سکتا، مگر سول میرج ایکٹ کے ذریعہ یا غیر قانونی طریقہ سے بعض ہندو مسلمان آپس میں شادی کر لیتے ہیں اگرچہ یہ شادی مذہبی حیثیت سے صحیح نہیں ہوتی، مگر اس سے جو اولاد ہوگی وہ مسلمان بھی ہو سکتی ہے اسلئے قانوناً اسکو ہر حالت میں ہندو قرار دینا سراسر زیادتی ہے، اور تبدیلی مذہب کی صورت میں بھی صرف اس فریق کو علحدگی کا حق دینا جو ہندو ہے قانونی مساوات کے بالکل خلاف اور دوسرے فریق کے ساتھ ناانصافی ہے اور اس سے پیچیدہ صورتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے، اس لئے یا تو دونوں فریق کو علحدگی کا حق دیا جائے یا سرے سے نکاح ہی کو فسخ قرار دیا جائے جیسا کہ اسلامی قانون میں ہے، بہر حال ابھی یہ بل معرض بحث میں ہے اسلئے خیالات کا اظہار آسانی سے ہو سکتا ہے،

معارف کے سلیمان نمبر کے لئے اکثر شائقین کے خطوط آتے رہتے ہیں، اسکی تیاری کی کوشش برابر جاری ہے، خیال یہ ہے کہ خواہ کچھ دیر ہو جائے مگر یہ نمبر ہر حیثیت سے جامع و مکمل ہو، اسی لئے کچھ تاخیر ہوئی مگر اب زیادہ دیر نہ ہوگی، اکثر مضامین آچکے ہیں اور کچھ عنقریب آجائیں گے، ان میں دار المصنفین کے رفقاء اور مصنفین کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے ممتاز اصحاب علم و قلم کے مضامین ہیں، اور امید ہے کہ جون سے اسکی کتابت شروع ہو جائیگی، اور اندازاً چارسو صفحات کے قریب اس نمبر کی ضخامت ہوگی، اور وہ انشاء اللہ بڑی حد تک سیرت سلیمانی کا مرقع ہوگا،

مقالات

سلاطینِ مملوک کے عہد کا ایک گمنام مگر بڑا فارسی شاعر شمس دبیر

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ایم اے (علیگ)

مولانا شمس دبیر کا پورا نام شمس الدین تھا، دہلی کے ملوک سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوئے تو دبیر (سکریٹری) کے فرائض انجام دیتے رہے، اس لئے ان کے نام کا جزء دبیر ہوگیا، تذکروں تاریخوں اور خواجگان چشت کے ملفوظات میں ان کا ذکر عام طور سے شمس دبیر ہی کے نام سے ہے،

سنام وطن تھا، تاریخ فرشتہ میں ہے،

"شمس الدین نام شاعرے کہ ساکن قصبہ سنام بود ......" (جلد دوم ص ۴۰۹)

خواجہ امیر حسن سجزی مرتب فوائد الفواد نے ان کو اپنا قریبی عزیز اور ہم قوم بتایا ہے، خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنی مجلس میں ایک بار مولانا شمس دبیر کا ذکر فرمایا تو امیر حسن سنجری نے کہا:-

"بندہ را با و نسبت قرابتے ہست ...... خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ ہم قوم بود، بندہ گفت آرے"[۱]

۱؎ فوائد الفواد ص ۱۲۸ (۱۶۲۳)

مولانا شمس دبیر کی ابتدائی تعلیم کا تو حال معلوم نہیں ہو سکا لیکن ان کی علمی استعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کے علوم کی تعلیم پائی تھی، مولانا عبدالحی نے ان کا شمار علماء میں بھی کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ممتاز علماء اور شعراء میں تھے،[1] فوائد الفواد کی ایک روایت سے اتنا معلوم ہو سکا کہ انھوں نے علم سلوک پر قاضی حمید الدین ناگوری کی کتاب لوائح بابا فرید الدین گنج شکر سے پڑھی تھی،[2] اس لحاظ سے بابا صاحب ان کے استاد تھے، اور غالباً ان سے بیعت بھی کی تھی،[3] کیونکہ بابا صاحب کے مجموعۂ ملفوظات راحت القلوب میں ان کی مجلس کے تذکرہ میں ان کا بھی کئی بار ذکر آیا ہے، ۲۷ شعبان ۶۵۵ھ کی مجلس میں ان الفاظ میں ذکر ہے،

"شیخ بدر الدین غزنوی نے عرض کی کہ اہل سماع کی بیہوشی کہاں سے آئی، شیخ الاسلام نے فرمایا اس روز سے کہ جب انھوں نے "الست بربکم" کی ندا سنی، اور بیہوش ہو گئے، وہ بیہوشی اب تک ان میں سرایت کی ہوئی ہے، اس لئے جب بھی یہ سماع سنتے ہیں، بیہوشی ان میں اثر کرتی ہے اور وہ بیہوش ہو جاتے ہیں، اس وقت شمس دبیر نے زمین کی طرف رخ کر کے کہا کہ اس روز جب کہ الست بربکم کی ندا آئی تو کیا سب روحیں ایک تھیں، فرمایا ہاں"،

۲۵ شوال ۶۵۵ھ کی مجلس میں ان کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ ایک موقع پر انھوں نے بابا فرید الدین گنج شکر کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہا، اور ان کی اجازت سے ان کو سنانا شروع کیا، بابا صاحب اس قصیدہ کو سنتے جاتے، اور جا بجا اسکی اصلاح فرماتے جاتے، مولانا شمس الدین دبیر اس سے خوش ہوئے، اس کے بعد بابا صاحب نے فرمایا کہ کیا صلہ چاہتے ہو، شمس دبیر نے کہا کہ ایک بوڑھی ماں کی خبر گیری کرتا ہوں لیکن تنگی معاش سے پریشان ہوں، بابا صاحب نے فرمایا جاؤ شکرانہ لے آؤ، مولانا شمس دبیر نے پچاس جیتل (یا جیتیل) لاکر

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۵۵ [2] فوائد الفواد ص ۱۲۸، سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۱ ص ۸۹، ۸۰، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۹ [3] نزہۃ الخواطر میں ان کے بارہ میں ہے واخذ الطریقۃ عن الشیخ فرید الدین مسعود الاجودھنی،

[4] راحت القلوب ص ۱۱-۱۰،

پیش کئے، بابا صاحب نے اپنے دست مبارک سے اسی وقت مجلس کے حاضرین میں تمام جیتل تقسیم کر دیئے جن میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو بھی ملے، پھر بابا صاحب نے فاتحہ پڑھی، اسی کے بعد شمس دبیر کی مالی پریشانی جاتی رہی،[1] یہ روایت فوائد الفواد (ص ۱۲۰ - ۱۲۷) سیر العارفین (اردو ترجمہ ص ۹۰) اور تاریخ فرشتہ (ج ۲ ص ۳۰۹) میں بھی ہے لیکن راحت القلوب میں ہے کہ بابا صاحب کی دعاؤں کے چند روز بعد مولانا شمس دبیر سلطان غیاث الدین کے دبیر ہو گئے، فوائد الفواد اور سیر العارفین میں ہے کہ غیاث الدین کے لڑکے کے دبیر ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ شمس الدین التمش کے لڑکے کے وزیر ہوئے،

ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں کیا ہے اور ان کو عہد ناصری کا ملک الکلام بتایا ہے،[2] اور ان کا ایک قصیدہ بھی نقل کیا ہے جو ملا صاحب کے خیال کے مطابق سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا تھا، گو آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہو کہ

"سلطان غیاث الدین بلبن در آخر حال اورا منشی مملکت بنگالہ دکامرو ساختہ در ملازمت پسر بزرگ خویش نصیر الدین بغرا گذاشتہ بود"، (ج ۱ ص ۹۴)

لیکن ملا عبدالقادر بدایونی نے شمس دبیر کے متعلق جتنی باتیں لکھی ہیں ان میں زیادہ تر مسامحات ہیں، مثلاً اوپر کے اقتباس میں بلبن کے بڑے لڑکے کا نام نصیر الدین بغرا بتایا گیا ہے جو صحیح نہیں، اس کا نام سلطان محمد تھا، البتہ اس کے چھوٹے لڑکے کا نام ناصر الدین (نصیر الدین نہیں) محمود بغرا خان تھا، جو لکھنوتی کا ایک آزاد

---

[1] راحت القلوب ص ۱۲ [2] ملا عبدالقادر کی عبارت یہ ہے کہ

"و از جملہ کہ در عہد ناصری کوس نواختہ بدرجہ ملک الکلامی رسیدہ بودند شمس الدین دبیر است"

منتخب التواریخ کے انگریزی مترجم نے ملک الکلامی کے بجائے ملک الکلام لکھی ہے، اور اس کا ترجمہ

(Lord of Eloqaence) کیا ہے،

(انگریزی ترجمہ جلد اول ص ۱۳۴)

حکمران تھا، اور اسی کے منادمت مین مولانا شمس دبیر برابر رہے، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، ملا عبد القادر بدایونی کو دہلی کے سلطان ناصر الدین اور محمود بلبن کے لڑکے ناصر الدین محمود (والی لکھنوتی) کا دھوکا ہوا، اسی لئے انھون نے شمس دبیر کو عہد ناصری کا شاعر بتایا ہے، اور جو قصیدہ لکھنوتی کے والی ناصر الدین محمود کی شان مین کہا گیا ہے وہ دہلی کے سلطان ناصر الدین محمود کی طرف منسوب کر دیا، اور شاید انہی کے بیان کو سامنے رکھ کر فرشتہ نے لکھدیا ہے کہ

"زود ی شمس الدین وزیر فیشمس الدین التمش شدہ (ج ۲ ص ۳۹۰)

تذکرہ نویسون مین نواب صدیق حسن اور مولٰنا عبد الحئی نے بھی غالبًا ملا عبد القادر ہی کے بیان پر بھروسہ کیا ہے، نواب صدیق حسن خان نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنے تذکرہ روز روشن مین لکھا ہے،

"شمس الدین دبیر توجہ سلطان ناصر الدین غازی منشی ممالک گردید"

نزہتہ الخواطر مین بھی ہے،

"وہ سلطان ناصر الدین محمود بن التمش کے عہد مین دیوان انشا کے متولی تھے، اور اسی کے شان مین بڑے پرزور قصائد کہے ہین"

لیکن درحقیقت شمس دبیر جیسا کہ فوائد الفواد مین ہے حضرت بابا گنج شکر کی دعاؤن کی بدولت سلطان غیاث الدین کے لڑکے یعنی ناصر الدین محمود بغرا خان کے دبیر ہوئے، اس کی تصدیق امیر خسرو کے دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ سے بھی ہوتی ہے، اس دیباچہ مین وہ مولانا شمس کے نام کے ساتھ برابر دبیر لکھتے ہین، اور اُن کو شہزادہ بغرا خان کے ندیم ہی کی حیثیت سے یاد کرتے ہین، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہین:-

"روزے شہزادہ خورد بغرا خان بزرگی فرمودہ درخانۂ خانِ معظم کشلو خان کہ ابن عمِ او بود مہمان آمد، بدان سبب کہ از عشرت ایشان مدام دور السلطان می رسید از حریفانِ خلوتے چند بار بر دارند تا شمس الدین دبیر و قاضی اثیر برا ثر در آن قران السعدین و اجتماع نیرین ....."

بلبن کے ابتدائی دور مین مولانا شمس الدین اور زیادہ معزز اور مقتدر امیر ہوگئے جیسا کہ امیر خسرو کے اس قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے جو انھون نے اپنی صغر سنی مین اس وقت لکھا جب وہ دربار کے مختلف امرار کی مدح مین قصائد لکھکر اپنے شاعرانہ کمال کا سکہ جمانے اور دربار مین رسوخ حاصل کرنے کی بھی پوری کوشش کر رہے تھے چند اشعار یہ ہین،

دہند زند زدل و دیدہ نرگس و ہمتش[1] — کنند چو باد صبا وصف غنچۂ دہنش

بکوہ لالہ گرفتیت سنگ تر دامن — کہ تا ببینند ہمیشہ سیمگون ہمنش

چرا بہ بحر معلق شدست چون ہاروت — اگر نہ خندہ کند رہ نشانی سخنش

سپہر عز و علا شمس دین و دل کہ گشت — میان سنبلہ فضلی لبسر ودانہ جسنش

بچرخ آئینہ وش عکس رائے روشن اوست — کہ کردہ اند خطاب آفتاب تیغ زنش

چو نوک خامۂ او در رہ خطا بردد — چرا نہ بیش او باز نا فۂ ختنش ؟

اور جب بغرا خان دہلی سے سامانہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا، تو مولانا شمس بھی اس کی معیت مین گئے، سامانہ مین اُن کی حیثیت اور بھی زیادہ ممتاز ہوگئی، چنانچہ امیر خسرو سامانہ بغرا خان کے یہان پہنچے، تو وہان کے قیام کے زمانہ مین مولانا شمس دبیر کی شان مین بھی قصائد کہے، ان مین سے ایک قصیدہ کے بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہین،

نا گہش مست زگلزار برون آوردند — وز تہ مقنعہ رخسار برون آوردند

باز کردند گریبانش کہ گر بازدہ بود — سینہ چو گل و گلنار برون آوردند

بلبلان رنجتی کف پاش از دل گل — اے بسا زر کہ بمنقار برون آوردند

گل کہ درخاک بغلطید ز رشک اندامش — پارہ پارہ شدہ از خار برون آوردند

[1] یہ قصیدہ کے منتخب اشعار ہین پورا قصیدہ نقل نہین کیا گیا ہے،

چون غم سوختہ گشتند روان آب حیات   از خط صدر جہاندار برون آوردند

شمس دین مردمک چشم خرد کز دل او   فضل را قیمت و مقدار برون آوردند

از پے کشتن دشمن دو زبان قلمش   گوئی خود از دہن مار برون آوردند

در پناہ قلمش جان بر واز تیر خدنگ   شرزہ شیرے کہ زنے زار برون آوردند

اے دبیرے کہ بہ پروانہ نوک قلمت   تیغ خورشید ز زنگار برون آوردند

زان ولایت کہ دران خامہ تو تیرہ بزد   علم فتنہ نگونسار برون آوردند

گرہ کلک ترا اہل سخن بکشادند   زان ہمہ لولوے شہوار برون آوردند

نافہ مشک ز خلق تو بکہسار رخزید   مو گرفتند ز کہسار برون آوردند

مگر اس دنیاوی اعزاز کے باوجود مولانا شمس دبیر نے بابا گنج شکرؒ کے یہاں کی حاضری نہیں چھوڑی، کبھی کبھی اجودھن میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کا بھی ساتھ ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں:۔

"میں شمس دبیر شیخ جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمۃ ایک ہی وقت شیخ کے یہاں سے واپس ہوئے، چند منزل ہم لوگ ساتھ رہے، پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو راستے ہو جاتے تھے، انھوں نے (یعنی شمس دبیر نے) سنام کی راہ لی، اور ہم لوگ سرستی کے جانب روانہ ہوئے، جب ہم لوگ اُن سے رخصت ہوئے تو شیخ جمال الدین نے شمس کی طرف منہ کرکے یہ مصرع پڑھا ع

اے یار قدیم راست می روی

اس وقت اس مصرع نے عجیب کیفیت پیدا کر دی"[۱]

سیر الاولیا میں بھی ایک روایت ہے جو معلوم نہیں مذکورۂ بالا روایت ہی کو تصرف کرکے لکھی گئی ہے، یا کوئی علیحدہ روایت ہے، بہرحال یہ بھی پڑھنے کے لائق ہے،

[۱] فوائد الفواد ص ۱۲۸،

سلطان المشائخ نے فرمایا:

"شیخ جمال الدین ہانسوی، خواجہ شمس الدین دبیر، اور دوسرے یاروں اور عزیزوں کو ایک ساتھ (شیخ کے یہاں سے) مراجعت کا اتفاق ہوا، شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سے وداع کے وقت شیخ جمال الدین نے کچھ وصیت کرنے کو کہا، اہل ارادت کے آداب میں یہ ہے کہ سفر پر روانہ اور شیخ سے جدا ہوتے وقت وہ وصیت چاہتے ہیں، اگر شیخ درخواست کرنے سے پہلے ہی وصیت کر دے تو بہت اچھا ہوتا ہے، ورنہ مرید اس کے لئے درخواست کرتے ہیں، شیخ شیوخ العالم نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا، میری وصیت یہ ہے کہ سفر میں اُن کو (یعنی میری طرف اشارہ کیا) خوش رکھو،

ع مقصود توئی دگر بہانہ است

شیخ جمال الدین اس حکم کے مطابق بڑے لطف سے پیش آئے، خواجہ شمس الدین دبیر بھی جو معدن لطافت اور کان ظرافت تھے بڑی تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے رہے........" (ص ۱۷۷)

حضرت بابا گنج شکر کے وصال کے موقع پر (۶۶۴ھ میں) مولانا شمس دبیر اپنے مرشد کے پاس ہی تھے، وفات سے کچھ روز پہلے انھوں نے نظامی کی مندرجۂ ذیل مثنوی سنائی،

جہان چیست بگزر ز نیرنگ او   رہائی بجنگ آر از چنگ او

نقیبے نہ بینی درین باغ کس   تماشا کند ہر یکے ہم نفس

درین چارسو، ہیچ بیگانہ نیست   کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست

در دہر روے نو برے می رسد   یکے می رود دیگرے می رسد

جہان گرچہ آرامگاہے خوش است   شتابندہ را نعل در آتش است

دو در دارد این باغ آراستہ   در و بند این ہر دو برخاستہ

در آواز دے باغ بنگر تمام	ز دیگرے درے باغ بیرون خرام
اگر زیر کے با گلے خو مگیر،	کہ باشد بجا ماند نش ناگزیر
درین دم کہ داری بہ شادی بسیچ	کہ آیندہ در زیر پیچیت ویبیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز،	دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاران شدند	تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

باباگنج شکر نے یہ مثنوی سنی تو متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا، تو مولانا شمس دبیر کو اپنی یارانی عطا فرمائی،[۱۱]

حضرت نظام الدین اولیاؒ مولانا شمس کے حسن طبع اور اخلاق کے مداح تھے،[۱۲] مگر اُن کو اُن سے ایک ہلکی سی شکایت یہ تھی کہ انھوں نے دنیاوی اعزاز باباگنج شکر ہی کی دعاؤں کے ذریعہ حاصل کئے، مگر بابا صاحب کے وصال کے بعد اُن کے خاندان والوں کے ساتھ انھوں نے کوئی حُسن سلوک نہین کیا، حضرت نظام الدین اولیاؒ کے الفاظ یہ ہین،

"اما در انچہ روزگار او بساخت، اگرچہ خدمت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نقل فرمودہ و در حق فرزندان و اہل بیت شیخ چندان توفیق خدمت نیافت یا ندانست یا کسے او را نگفت"[۱۳]

طغرل کی بغاوت اور سرکشی فرو کرنے کے لئے ۶۷۸ھ مین جب سلطان غیاث الدین لکھنوتی کی مہم پر جانے لگا تو اس نے سامانہ سے بغراخان کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا، بغراخان اپنے خلوت و جلوت کے تمام ہمراہیون کی معیت مین باپ کے ساتھ روانہ ہوا، مولانا شمس دبیر اور خسرو بھی اس کے جلو مین تھے، فوائد الفواد مین امیر حسن سجزی خود روایت کرتے ہین کہ اس سفر مین مولانا شمس دبیر کے ہمراہ وہ بھی تھے،

[۱۱] راحت القلوب ص ۶۸، [۱۲] و [۱۳] فوائد الفواد ص ۱۲۸، یہ ملفوظ ۷۱۴ھ کا ہے،

"در آنکہ سلطان غیاث الدین بہ لکھنوتی رفت در ان لشکر بندہ داو (یعنی مولانا شمس دبیر) ہم در انشاے راہ چہ در کشتی و چہ در خشکی یکے می شدیم" (ص ۱۲۰)

سلطان غیاث الدین طغرل کی بغاوت فرو کر کے لکھنوتی سے دہلی واپس آنے لگا تو بغراخان کو لکھنوتی کی اقلیم عطا کی، اور اس کے ساتھ چتر، دورباش اور دوسرے لوازم شاہی بھی دیئے، اور نصیحتین بھی کین جن کو مولانا شمس الدین ہی نے قلمبند کیا، ضیاء الدین برنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان بلبن کے دو دبیر تھے، عمدۃ الملک خواجہ علاء اور ملک قوام الدین، موخر الذکر لکھنوتی کی مہم مین ساتھ تھا، اور اسی نے لکھنوتی سے فتحنامہ لکھ کر دہلی بھیجا تھا[۱۴] مولینا ضیاء الدین برنی اس مہم مین مولینا شمس الدین کا بغراخان کے دبیر کی حیثیت سے تعارف کراتے ہین، ان کا بیان ہے کہ سلطان بلبن نے بغراخان کو نصیحت کرتے وقت اپنی خلوت مین پہلے تجربہ کار بوڑھے امراء کو بلایا، پھر بغراخان سے کہا کہ اپنے دبیر شمس کو دوات، قلم اور کاغذ میرے پاس لانے کو کہو تاکہ مین تمھارے لئے کچھ نصیحتین لکھوا دون، بغراخان نے شمس دبیر کو سلطان کے سامنے پیش کیا، سلطان نے بغراخان اور شمس دبیر دونون کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا، اس کے بعد سیاست و حکمرانی کے اصول و رموز سے متعلق جو قیمتی نصیحتین کین، اُن کو مولانا شمس الدین لکھتے رہے، یہ نصیحتین تاریخ فیروز شاہی کے ۱۲ صفحون (ص ۹۵-۱۰۷) پر مشتمل ہین،

جب سلطان غیاث الدین بلبن لکھنوتی سے رخصت ہوا، تو خسرو بھی اس کے ساتھ ہو گئے، مولانا شمس دبیر کو یہ گوارا نہ تھا کہ خسرو جیسے دوست اور شاعر کی صحبت سے محروم ہو جائین، وہ اپنے آقا بغراخان کی ملازمت کے لئے بھی اُن کو پسند کرتے تھے لیکن خسرو کو بنگالہ جیسی جگہ پسند نہ تھی، اور اُن کو اپنے عزیزون کی جدائی بھی شاق تھی، اس لئے مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی اثیر کے اصرار کے باوجود سلطان بلبن کے ساتھ دہلی واپس ہو گئے، وہ خود غرۃ الکمال کے دیباچہ مین رقمطراز ہین،

[۱۴] تاریخ فیروز شاہی، ص ۹۱،

"ملک شمس الدین دبیر و قاضی اثیر خواستند کہ بیاسائم دامن گیری کنند، اما فراق عزیزانم گریبان گیر شد و ضرورت یوسف وار ازان چاہ زندان سوئے مصر جامع روان گشتم و در سایۂ علم ظل الٰہی در شہر پیوستم"

سلطان بلبن کی وفات کے بعد بغرا خان لکھنوتی میں بنگالہ کا حکمران بن بیٹھا، اور اس کے لڑکے کیقباد نے دہلی کے تخت پر اپنا قبضہ جما لیا، اور باپ بیٹے کی دو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں لیکن کیقباد بہت جلد اپنے درباریوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا، اور سلطنت دہلی کی حالت روز بروز خراب ہوتی گئی، بغرا خان نے پہلے تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط لکھکر سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب ان کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو خود فوج لے کر بہار کی سرحدوں تک بڑھ آیا، ادھر سے دہلی بھی پوری جنگی تیاری کے ساتھ کیقباد گھوگھرا دریا کے کنارے آئے، دریائے گھاگرا اور سرو (شاید سرجو مراد ہو) کے درمیان باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی، بغرا خان کی معیت میں شمس دبیر بھی تھے، اور باپ بیٹے کی ان ملاقات کے مراحل طے کرانے میں وہ پیش پیش رہے، خسرو نے اس تاریخی ملاقات کو اپنی مشہور و معروف مثنوی قران السعدین میں نظم کیا ہے، اس میں مولانا شمس دبیر کا ذکر اس طرح کیا ہے،

جست رسولے کہ گذارد پیام	ہر چہ بگوئید بگوید تمام
گر سخن از صلح بود یا نبرد	کم نکند ہیچ نہ بیرون رد
دید کہ کس نیست ز برنا و پیر	درخور این کار چو شمس دبیر[۱]

اس موقع پر خسرو کی بھی ملاقات مولانا شمس دبیر سے ہوئی اور ایک دوسرے سے بڑے والہانہ انداز سے ملے، امیر خسرو اپنے بچھڑے ہوئے مربی اور سرپرست کو دیکھ کر رونے لگے، ایک تحریر میں رقمطراز ہیں

"ناگاہ ذات منور شمس الدین[۲] دبیر نور اللہ یوم الدین چون آفتاب قیامت بر سر این

[۱] قران السعدین ص ۱۰۲-۱۰۳ علی گڈھ ایڈیشن ۱۹۱۸ء [۲] اعجاز خسروی رسالہ خامسہ کے ص ۲۰۵ کے حاشیہ پر یہ

فدوا آمد طلعت الشمس الطلعہ از گرمی آن مہر بر خود بسوختم و خونم از حرارت دروں بیرونی جوشید از غایت احتراق طاقت آن نداشتم کہ سوئے او توانم دید عہد اچشم بجمالش تیز کردم آب در چشم من بگشت"

آب در چشم بگرود چو بینی خورشید	خاصہ خورشید کہ کش خانہ بود اندر چشم

مولانا شمس کے نام کی رعایت کے لحاظ سے آفتاب، طلعت الشمس، کشمس الطلعۃ، مہر، خورشید وغیرہ کے الفاظ بار بار لائے ہیں، اُن کی صحبت میں امیر خسرو تین دن تک رہے، قاضی اثیر بھی مولانا شمس کے ساتھ تھے، اس صحبت کا ذکر امیر خسرو مذکورہ بالا رقعہ میں بڑے لطف و لذت سے کرتے ہیں، اور جب مولانا شمس رخصت ہونے لگے، تو انھوں نے امیر خسرو کو اپنا ایک دیوان عطا کیا، چنانچہ امیر خسرو لکھتے ہیں،

"بعد از سلطان بسیار بندہ را وداع کرد و آیت العود خیر بر خواند و دیوان خاص کہ نقش از نثرہ و شعرے سخن می گوید، یادگار بکاتب سپرد و خود بمقر دولت رسانید"

خسرو اُن سے بڑے کرب و بے چینی سے جدا ہوئے، چنانچہ لکھتے ہیں:-

"ز نادیدن آن عزیز را بر نقد بر خداے علیم حوالہ کرد"

مولانا شمس دبیر اپنے آقا بغرا کے ساتھ ۶۸۶ھ میں لکھنوتی واپس گئے، اور غالباً وہیں عالم جاودانی کو سدھارے، روز روشن میں اُن کی تاریخ وفات ۷۰۰ھ لکھی ہے۔ (ص ۳۵۲)

امیر خسرو مولانا شمس دبیر کی سخن سنجی و سخن فہمی کے برابر معترف رہے، ایک بار دہلی میں کشلو خان کے یہاں شعر و شاعری کی مجلس ہوئی، اس میں شہزادہ بغرا خان کے ساتھ مولانا شمس الدین دبیر اور قاضی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) درج ہے:-

"شمس الدین نام یکے از مریدان حضرت نظام الدین اولیاء بود و بساتین الانس از تصنیفات اوست"

یہ تو غلط ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ بساتین الانس انہی کی تصنیف ہے،

اثیر بھی شریک ہوئے، امیر خسرو بھی جو اس وقت محض ایک نوخیز شاعر تھے، اس بزم مین حاضر تھے لیکن وہ خود لکھتے ہین کہ ان دونون کی حیثیت بڑے سیارون یعنی زہرہ اور مشتری کی تھی، اور وہ محض عطارد (کاتب فلک) کی طرح وہان موجود تھے، پھر ان کی سخن سنجی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ اُن کی نظم سیارون (زہرہ اور مشتری) سے ہم کلامی کرتی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہین کہ شاعر شمس الدین دبیر کے فضائل و کمالات بیان سے باہر اور تعریف و توصیف سے مستغنی ہین، انھون نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر خسرو اپنے اشعار کے اچھے ہونے کا معیار ان ہی کی پسندیدگی پر رکھتے تھے، اور اس پر وہ فخر کرتے تھے، مگر تعجب ہے کہ ملا صاحب نے اس سلسلہ مین یہ کیسے لکھ دیا،

"در دیباچہ غرۃ الکمال و در آخر ہشت بہشت کلام خود را بہ ذکر محامد و نشر مناقب او دیوم تمام بخشید" (ج ۱ ص ۹۴)

غرۃ الکمال کے دیباچہ مین تو شمس دبیر کی مدح ضرور ہے لیکن ہشت بہشت کے آخر مین شمس دبیر کا نہین، بلکہ مولانا شہاب الدین مہمرہ کا ذکر ہے، جیسا کہ معارف کے ایک مضمون مین دکھایا جا چکا ہے،

حال کے تذکرون مین مولانا شمس کا ذکر روز روشن اور نزہتہ الخواطر مین ہے، روز روشن مین ہے،

"طبعش از اقسام شعر بہ سوئے قصیدہ بسیار مائل بود" (ص ۳۵۴)

نزہتہ الخواطر مین ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہیں ملتا،

"کان شاعرا بلیغًا مجید الشعراء، (جلد ۲ ص ۵۵)

لیکن افسوس ہے کہ اس بلند پایہ شاعر کا کلام اب کہین نہین ملتا، ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کا جو قصیدہ نقل کیا ہے وہی اُن کی کل کائنات ہم تک پہونچی ہے، یہ قصیدہ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے مولانا شمس نے اپنے آقا و ولی نعمت ناصر الدین محمود بغرا خان کی شان مین کہا ہے، قصیدہ مین ناصر الدین

بغرا کے نام کے بجائے محمود ہی لکھا گیا ہے، کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور رہا، قصیدہ ملاحظہ ہو،

این ہمہ کار بردم از تو بنادانی خام
دادۂ دوش مرا وعدۂ مہمانی خام

پختہ کردم ہمہ شب چشم نہ بستم کان
طمعے بود از آن گونہ کہ می دانی خام

پختہ دارم دل از اندیشۂ زیت کہ چراست
رنگ تو پختہ ہمین نقرۂ پیشانی خام

سست می دارم و ہر چند تو سی می کندم
ریسمانی است زمین تا بہ پریشانی خام

لکن از عیش خودم پختہ چو دہقان توام
کہ ثوابے است تو می دادن تہ بانی خام

گفتیم ہیچ مسلمان نہ خورد خام بہ بین
غم تو می خوردم اینست مسلمانی خام

خام می خواہم از سینۂ خود بہ تنگا فم
پختہ بنمایم اندک کہ تو می خوانی خام

بس کہ در حسن تو و فر ملک حیرانم
کار نا پختہ من ماندہ ز حیرانی خام

چو ملک خسرو ثانی است نماند ہرگز
کار م از دولت خسرو ملک ثانی خام

اخبر دنیا و دین آنکہ بہ پیش ملکش
شد ز شاہان ہوس ملک سلیمانی خام

شاہ محمود شہ آن سلطان کز فر بدیہ
دیگ در آرزویش نیست سلطانی خام

آفتاب کرمش گر سوی بستان تابد
تا بد از شاخ بہ بر دن میوۂ بستانی خام

چہ کند چرخ اگر بار دقارت نکشد
چہ کشد بار گران مرکب پالانی خام

دشمنت لائق آنست کہ در خام کشی
با کہ در کالبد خام چہ پیشانی خام

غسل خصم است بخون جائزہ بیرا ہمن
در گلو می گذرش ہر دم زندانی خام

ہمہ کار تو زر پختہ و بد خواہ ترا
کار بر ہرزہ و مصداق پشیمانی خام

ہمت آن غول بر ہشد است کہ از گل جہان
بو ستے دارد و آن نیز چو پستانی خام

خلق را گر گشتی باندہ ہر روز دو وقت
دانہ خا نید چو دست آسی ز خانی خام

خصم اگر گرددپربادچہ باک ست ارچہ	کرد چون شیر علم حملہ ز کشخانی خام
سحر فرعون چہ آرد چہ فرد خواہد برد	اژدہائے علمی زدم ثعبانی خام
خسروا شمس دبیرست توی پختہ سخن	نیست چون دفتریان پختہ دیوانی خام
ہست آں پختہ شعرش چو در پختہ و نیست	سخنش چون سخن پختہ خاقانی خام
پختہ کرد ست فلک بہر تو مملکت بازآ	پختہ او بکرم باز مگردانی خام

اسی قصیدہ کے کچھ اشعار روز روشن اور نزہۃ الخواطر مین نقل کئے گئے ہین، ان کے علاوہ اُن کے اور اشعار میری نظر سے کسی اور تذکرہ مین نہین گذرے حالانکہ انھون نے اپنا ایک دیوان مرتب کرکے ختم کردیا تھا، ہندوستان کے قیمتی ادب کا یہ قیمتی سرمایہ شاید زمانہ کے دست برد کی نذر ہوگیا، سیر الاولیاء مین ان کا ایک حسب ذیل شعر منقول ہے، جو محبت الٰہی کے سلسلہ مین درج کیا گیا ہے،

آہ سربستہ من اشک مرا ورد ل گفت	خیز باز ے تو بردن رو کہ گذر یافتہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے اشعار اہل دل کی مجلسون مین بھی پڑھے اور نقل کئے جاتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ ان پر گمنامی کا پردہ پڑگیا،

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم نے اردو (جنوری ۱۹۴۳ء ص ۹۵) کے ایک مضمون مین لکھا تھا کہ شمس نظام الدین اولیاء کا استاد بھی ہے، انھون نے مقامات حمیدی (شاید مقامات حریری مراد ہو) اس سے پڑھی، اور علم حدیث حاصل کیا، بلبن شمس کو اپنے فرزند بغرا خان کا مستوفی بتاتا ہے، تاج ریزہ مبارکباد مین کہتا ہے،

شمسا کنون بکام دل ہندوستان شدی

مستوفی ممالک ہندوستان شدی

---

۵ منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۶-۹۷

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کو شمس کے نام سے غلط فہمی ہوئی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد مولانا شمس الدین خوارزمی تھے، جو شمس دبیر سنامی سے علٰحدہ شخصیت تھی، اسی قسم کی غلط فہمی امیر خسرو کے سوانح نگار جناب محمد سعید احمد مارہروی کو ہوئی ہے، وہ تو یہ بھی لکھتے ہین کہ امیر خسرو کی استادی کا فخر خواجہ شمس الدین خوارزمی کو بھی اس لحاظ سے حاصل ہے کہ انھون نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے، دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنی مثنوی ہشت بہشت مین حضرت امیر خسرو نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کی ہے، اور اُن کی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، جناب سعید احمد مارہروی نے وہ قصیدہ بھی نقل کیا ہے، جو ہم شمس دبیر کے نام سے گذشتہ اوراق مین نقل کرچکے ہین، سعید احمد مارہروی نے نہ صرف شمس دبیر اور مولانا شمس الدین بلکہ شہاب مہمرہ کو بھی خلط ملط کر دیا ہے، کیونکہ یہ ہم پہلے بتا چکے ہین کہ ہشت بہشت کی اصلاح مولانا شہاب مہمرہ نے کی، اور امیر خسرو کو اُن ہی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی،

ملا عبدالقادر بدایونی کے حالات
خود اُن کی زبان سے

از

ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی، لکچرار شعبہ فارسی اسمٰعیل کالج بمبئی

(۲)

ملا صاحب ۹۸۱ھ میں اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے، حسین خان کی خدمت کے بعد ذی الحجہ ۹۸۱ھ میں بدایون سے آگرہ آئے اور جمال خان قورچی اور حکیم عین الملک کے ذریعہ اکبر کے دربار میں داخل ہوئے، فیضی سفارت نامہ میں لکھتے ہیں کہ ملا صاحب جمال خان قورچی اور میر فتح اللہ کی وساطت سے اکبر کے دربار میں باریاب ہوئے،

"اول مرتبہ او را جلال خان قورچی بدرگاہ آوردہ بعرض رسانیدہ بود کہ من امامی برائے حضرت پیدا کردہ ام

کہ حضرت را خوش خواہد آمد و میر فتح اللہ ہم از مکہ از احوال او بعرض اقدس رسانیدہ بودند"[۵۰]

ملا صاحب کی ذہانت اور اُن کی علمی فضیلت نے اکبر کو موہ لیا، انھون نے دربار مین آتے ہی وہ جوہر دکھائے کہ دوسرے علماء اور درباری جن مین مخدوم الملک اور عبدالنبی صدر الصدور بھی تھے اُن کے سامنے ماند پڑ گئے، ملا صاحب عربی کے فاضل اور اعلیٰ درجہ کے قاری تھے، آواز بہت اچھی تھی، اس لئے اکبر نے انھین ۹۸۲ھ مین امام مقرر کیا، اور بیس ہزار کا منصب بھی عطا کیا، اور خدمتِ داغ سے سرفرازی بخشی، اس وقت ابوالفضل کو بھی یہی عہدہ ملا تھا، ملا صاحب لکھتے ہین کہ اُن کا اور ابوالفضل کا حال وہی تھا، جیسا شبلی نے جنید کے متعلق کہا تھا کہ ہم دونون ایک ہی تنور سے

سلہ ۵۰ منتخب التواریخ حصہ سوم ص ۳۰۰،

باہر نکلے ہین:-

"چنانچہ شبلی در حق جنید قدس اللہ سرہما گفتہ کہ از یک تنور بر آمدہ ایم"[۵۱]

بقول آزاد دونون ایک اڑان سے اڑے لیکن ابوالفضل اپنی چالاکی سیاست دانی اور موقع شناسی سے ترقی کرتے کرتے دو ہزاری کے منصب اور اس کے بعد وزارت کے عہدے تک پہنچ گیا، اور ملا صاحب اپنی سادگی اور قناعت پسندی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے،

ملا صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس منصب پر قائم نہ رہ سکے، چنانچہ خود لکھتے ہین:-

"فقیر از بے تجرگی و سادہ لوحی نوکری نتوانستم قرار داد"[۵۲]

ملا صاحب قانع زندگی بسر کرنا چاہتے تھے، اور درباداری اور ریاست کی الجھنون سے بری رہنا چاہتے تھے، وہ صرف اس کے خواہشمند تھے کہ دربار سے انھین مدد معاش ملتی رہے، اور وہ تحصیل علم مین زندگی گزار دین لیکن اُن کی یہ خواہش پوری نہین ہوئی چنانچہ لکھتے ہین،

"دگمان این بود قناعت النفس بقناعت ات بجزے مدد معاش کہ خواہند داد نمودہ در گوشہ

سلامت وعافیت بمشغولی علم و آزادی شیوۂ نامرادی خواہم داشت

جاہ دنیا مطلب دولتِ فانی مگذار — جاہ دین بس بود دولت سلام ترا

و آن خود میسر نہ شد"[۵۳]

انھون نے ۹۸۳ھ مین رخصت کے لئے عریضہ پیش کیا، جو قبول نہین ہوا، اکبر نے اتنی رعایت البتہ کی کہ اُن کے گھوڑون کا امتحان معاف کر دیا، اور انھین ہزار بیگہ زمین عطا کی، لیکن اس کی آمدنی ملا صاحب کیلئے کافی نہ تھی، اس لئے انھون نے درخواست کی کہ اتنی قلیل آمدنی مین ہر وقت دربار کی حاضری کی خدمت انجام نہین دیجا سکتی، اکبر نے وعدہ کیا کہ وقتاً فوقتاً اُن کو لشکر کشی کے وقت انعام و تحائف ملتے رہین گے لیکن ملا صاحب

۵۱ منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۲۰۹، ۵۲ ایضاً ۵۳ ایضاً حصہ دوم ص ۲۰۶،

کے بیان کے مطابق بیس سال کے عرصہ مین صرف ایک یا دو مرتبہ تحفہ و انعام ملے ۹۸۲ھ مین اور چند دیگر لوگون کے ساتھ ملا صاحب کو صلات و انعام ملے، اور منصب مین بھی ترقی ہوئی، مگر ملا صاحب نے یہ نہین واضح کیا ہے کہ کوئی تبدیلی ان کے منصب مین ہوئی، صرف اتنا لکھا ہے:-

"بخلاف غازی خان بدخشی مہتر خان و علی مراد اوزبک و دیگر کہ من ہم ازان جملہ ام ازان مردم مستثنیٰ بودہ اند بعنایات و زیادتی منصب سرفراز گشتند"[۱]

ذی الحجہ ۹۸۳ھ مین اکبر نے دیپالپور مین جشن نوروز منایا، اس وقت ملا صاحب بساور مین سخت بیمار تھے، اس حالت مین انھون نے دیپالپور جانا چاہا، لیکن راستہ خطرناک تھا، اس لئے رضوی خان کے ساتھ گوالیار، سازنگ پور اور اجین ہوتے ہوئے ۱۲ ذی الحجہ کو اکبر کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور قرآن کا ایک چھوٹا سا نسخہ اور وعظ و خطبہ کی ایک بیاض اکبر کو پیش کی، اکبر نے حافظ محمد خان کو دیدیا،[۲]

۹۸۵ھ مین اکبر نے شاہ ابوتراب کو امیر الحج بنایا، اور اعلان عام کر دیا کہ جس کا دل چاہے حج کے لئے جائے، اس اعلان پر ملا صاحب کے دل مین حج کی آرزو پیدا ہوئی، انھون نے اس کی اجازت مانگی، عبد النبی نے جو اس وقت برسر کار تھے، پوچھا کہ ان کے سوا کوئی اور بھائی ہے، جو ان کی مان کی خدمت کر سکتا ہے، ملا صاحب نے کہا نہین ہے، عبد النبی نے کہا کہ پھر وہ اپنی والدہ سے حج کی اجازت لین، مگر انھون نے اجازت نہین دی، اس لئے حج سے محروم رہے جس کا انھین افسوس رہا، چنانچہ لکھتے ہین،

"و آن سعادت حاصل نشد و حالا بدندان حسرت پشت دست ندامت میگزد"[۳]

نگرد لطف تو کاری و وقت کار گذشت

نشد وصال تو روزی و روزگار گذشت

۹۸۵ھ مین ملا صاحب ریواڑی مین تھے کہ بساور سے خبر آئی کہ ان کے یہان لڑکا پیدا ہوا چنانچہ

---

[۱] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۲۲۹ [۲] ایضاً ص ۲۴۳ [۳] ایضاً ص ۲۵۱،

ملا صاحب رخصت لے کر بداؤن چلے گئے، لیکن مقررہ وقت پر واپس نہ آ سکے، اُن کے دشمنون نے موقع پا کر اکبر کو بھڑکا دیا، اُس نے اُن سے بے التفاتی برتنا شروع کر دی، ملا صاحب اُس کی شکایت کرتے ہین،

"و ازان منزل رخصت پنج ماہ گرفتہ بہ بسا در آمدم، بجہت بعضے ضرورات بلکہ فضولیہا تخلف در وعدہ نمودہ یک سال ماندم و این کم خدمتیہا و آن بی التفاتیہا عاقبت رفتہ رفتہ باعث افتادن از نظر و بے توجہی تمام شد"[۱]

بعض دوسرے اسباب کی بنا پر بھی اکبر ان سے ناراض ہو گیا، اس لئے دربار مین ملا صاحب کی آمد و رفت کم ہوتی گئی، اور انھون نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، شاذ و نادر ہی کبھی دربار مین جاتے تھے، اکبر کی مذہبی پالیسی کی وجہ سے دوسری قوم و مذہب کے لوگون کی دربار مین زیادہ آمد و رفت شروع ہو گئی تھی، جو اکبر کو اسلام سے منحرف کرنے کے لئے اپنے مذہب کی خوبیان بیان کرنے لگے، اس وقت مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی صدر الصدور برسر اقتدار تھے، اور اکبر انہی کے اشارون پر ناچتا تھا، مگر ان لوگون کے دربار مین داخل ہونے کے بعد ان علما کا اثر کم ہوتا گیا، ایک دفعہ عبد النبی نے ایک برہمن کو قتل کروا دیا، جس کی وجہ سے دربار بلکہ حرم سرا تک مین تہلکہ مچ گیا، اور اکبر پر فقرے کسے جانے لگے کہ اُس نے علما کو اتنا سر چڑھا لیا ہے کہ وہ اس کے حکم کی بھی پروا نہین کرتے، اس لئے اکبر نے برہم ہو کر فتویٰ طلب کیا، اور بقول ملا صاحب ایک اچھی خاصی بحث شروع ہو گئی، اکبر نے آخر مین ملا صاحب کی رائے طلب کی، وہ متعصب سُنّی تھے، انھون نے جو مشورہ دیا، وہ اکبر کو پسند نہین آیا، اور وہ اُن سے خفا ہو گیا، ملا صاحب نے معافی چاہی، اس وقت سے دربار مین اُن کا آنا جانا اُن کا اور کم ہو گیا، چنانچہ لکھتے ہین،[۲]

"پادشاہ از من پرسید کہ چہ میگوئید گفتم اگر چہ او مالکیست اما مفتی محقق اگر بجہت سیاست عمل بر فتویٰ او کند شرعاً جائز است و درین باب سخن بسیار گذشت ...... فرمودند آن"

---

[۱] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۲۵۲ [۲] ایضاً حصہ سوم ص ۸۲،

"نامعقول است کہ ہی گوئی درحال تسلیم کردہ .... واز آن روز ترک مجلس مباحثہ نمودہ وگوشہ

انزوا گزیدہ مگاہے گاہی از دور کورنش میکردم"

ان اسباب کے علاوہ اکبر اور اس کے دربار سے ملا صاحب کے دل برداشتہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

ملا صاحب کو یہ ایک آنکھ بھی نہین بھاتا تھا کہ برہمن دربار مین آکر اکبر کو ہندو مذہب کا سبق دین، اور اس کا

گرویدہ کرین یا یورپ کے پادری تثلیث کا سبق دیکر اسلام سے منحرف کرین، یا آتش پرست دربار مین آگ

جلائین، ان اسباب کی بناپر انھون نے دربار چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی،[1]

"چون مقاصد و مطالب دیگر پیش آمد فقیر خود را بگوشۂ عزلت کشیدم ...... تا از نظر افتادم

واحمد شد کہ بدین خوش حالم

دل در تنگ وبونش نیکو شد کہ نشد	خم در تو نزد و نشد نیکو شد کہ نشد

گفتی کہ بر نجم از نیکو شد کارت	دیدی کہ نیکو نشد نیکو شد کہ نشد"

ان واقعات سے ملا صاحب کی رائے اکبر کے متعلق بالکل بدل گئی، اور انھون نے اس سے بے تعلقی

ہی مین عافیت سمجھا چنانچہ لکھتے ہین:[2]

"دنخود را قابل رعایت و نہ ایشان را لائق خدمت دانستم و سر بسر راضی شدم"

بیا تا تکلف بیکسو نہیم	نہ از تو قیام و نہ از ما سلام

واز درگاہ و گاہی در صف نعال کورنش میکردم و نظارگی بودم کہ صحبت بر نیاید نامرافق

نیست مشربہا تا بعد ازین چہ مقدار باشد"

دیدم کہ ز دیدن رخت از دور خوشتر است

صحبت گذاشتم ز تماشائیان شدم

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۶۳ [2] ایضاً ص ۶۲، ۲۶۳،

ابتدا مین جب کہ ملا صاحب جمال خان قورچی اور حکیم عین الملک کی وساطت سے اکبر کے دربار مین

داخل ہوئے تھے تو اس پر اپنی قابلیت کا بڑا سکہ جمالیا تھا، اور ان کی تیز فہمی اور تیز زبانی سے دربار کے

امرار و علمار مین کچھ ہم گئے تھے، اسی لئے اکبر نے علمار کو زیر کرنے کے لئے ملا صاحب کو آلۂ کار بنانا چاہا،

چنانچہ جب اس نے دوسرے مذاہب کے مطالعہ کے لئے اس کی کتابون کا ترجمہ شروع کرایا، تو اس سلسلہ

مین ملا صاحب نے سب سے زیادہ کام کیا، ان کے سوا دوسرے لوگون نے بھی سنسکرت سے فارسی مین

ترجمے کئے، مثلاً فیضی نے لیلاوتی کو فارسی کا جامہ پہنایا، ملا صاحب نے اتربن کا جو ہندوؤن کی

مقدس کتاب ہے، فارسی مین ترجمہ کیا، انھون نے اس کام مین شیخ بھاون سے مدد لی شیخ بھاون

نے اسی زمانہ یعنی ۹۸۲ھ مین اسلام قبول کیا تھا، لیکن کتاب مشکل تھی، اس لئے بعض اوقات شیخ

بھاون کو بھی ترجمہ مین دشواری پیش آتی تھی، اس لئے اکبر اور فیضی اور حاجی ابراہیم کو بھی اس کام مین

حصہ لینے کا حکم دیا،[1]

جمادی الآخر ۹۸۲ھ مین جب اکبر شیرگڈہ (قنوج) مین خیمہ زن تھا، ملا صاحب کو سنگھاسن بتیسی

کا فارسی مین ترجمہ کرنے کا حکم دیا، یہ کتاب راجہ بکرماجیت کے متعلق ۳۲ کہانیون پر مشتمل ہے، اور بقول

ملا صاحب طوطی نامہ سے مشابہ ہے، اکبر نے فارسی نثر و نظم دونون مین ترجمہ کرنے کے لئے کہا تھا، ملا صاحب نے

ایک صفحہ ترجمہ کرکے اکبر کو دکھایا، وہ بہت خوش ہوا، اور ملا صاحب کی مدد کے لئے ایک ہوشیار برہمن کو مقرر

کیا، ملا صاحب نے اس ترجمہ کا نام "نامۂ خرد افزا" رکھا جس سے کتاب کی تاریخ تالیف بھی نکلتی ہے اور اکبر

نے اسے شاہی کتب خانہ مین رکھوایا[2] اور خواجہ حسین مروی شاعر کو اس کتاب کا فارسی نظم مین ترجمہ کرنے کا

حکم دیا، لیکن مکمل نہ ہوسکا، ذیل کے نعتیہ اشعار اسی فارسی ترجمہ کے ہین:[3]

"واین ابیات در	از کتاب سنگھاسن بتیسی است، کہ بندگان پادشاہی باو فرمودہ بودند

---

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۲۱۳، [2] ایضاً حصہ سوم ص ۷۷، [3] ایضاً حصہ دوم ص ۳۵۰،

دباتمام نرسید، مثنوی

خوش الحان عندلیب باغ بلاغ | بگل نرگسش از کحل مازاغ
کشیده دور زبور نسخ بے قیل | قلم بر نسخۂ توریت و انجیل
نبوت را بدرگاهش حواله | امام الانبیاء ختم الرساله

نامۂ خرد افزا مکمل ہونے کے بعد پرکھوتم نامی برہمن نے اس کی ایک تفسیر لکھی،[1]

اکبر نے شاہنامہ اور امیر حمزہ وغیرہ کو ۱۶ جلدون مین مع تصویرون کے آب زر سے لکھوایا، اور ملا صاحب کو مہابھارت کا فارسی ترجمہ کرنے کا حکم دیا،[2] انھون نے دو مہینہ مین دو حصون کا ترجمہ کیا، مگر وہ کٹر مسلمان تھے، اس لئے کتاب کے مواد سے اتفاق نہ تھا، اور یہ کام انھون نے مجبوراً کیا،[3] ان کے علاوہ ملا شیری، نقیب خان اور سلطان حاجی تھانیسری، فیضی نے بھی اس کام مین حصہ لیا، اور شیخ ابوالفضل نے اس کا خطبہ لکھا، اکبر نے اسے مع تصویرون کے شائع کیا، اور امراء کو حکم دیا کہ وہ اس کا ایک ایک نسخہ خریدین،

۹۹۲ھ مین اکبر نے ملا صاحب کو رامائن کے ترجمہ کا حکم دیا،[4]

"دہرین ایام فقیر را ترجمہ کتاب رامائن فرمودند۔۔۔"

انھون نے چار سال مین اس کا ترجمہ مکمل کیا، یہ ترجمہ منظوم ہے، اس کا آخری شعر اکبر کو بہت پسند آیا، ملا صاحب لکھتے ہین،[5]

"وچون در آخر آن نوشتہ بودم کہ

ما قصہ نوشتیم بسلطان کہ رساند | جان سوختہ کردیم بجانان کہ رساند

بسیار مستحسن افتاد"

۹۹۹ھ مین اکبر نے ملا شاہ محمد شاہ آبادی کی تاریخ کشمیر کو سلیس فارسی مین لکھنے کا حکم دیا

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۲۵۷، [2] ایضاً ص ۳۲۰، [3] ایضاً ص ۳۲۱، [4] ایضاً ص ۳۳۶، [5] ایضاً ص ۳۶۶،

ملا صاحب نے دو مہینہ مین یہ کام پورا کیا، اور اس کے آخر مین ذیل کا شعر لکھا،[1]

در عرض یک دو ماہ بتقریب حکم شاہ
این نامہ شد چو خط پری پیکران سیاہ

۱۰۰۲ھ مین ملا صاحب نے تاریخ الفی کا پہلا حصہ لکھا، اور باقی دو حصے ملا احمد نے مکمل کئے، ۱۰۰۳ھ مین اکبر اجمیر کی درگاہ کے لئے ایک متولی مقرر کرنا چاہتا تھا، صدر جہان نے ملا صاحب کا نام پیش کیا، مگر اکبر ان کی خدمات سے اتنا متاثر تھا کہ ملا صاحب کو اپنے پاس سے الگ کرنا نہین چاہتا تھا، اس لئے اُن کو متولی نہین بنایا، ملا صاحب لکھتے ہین[2] :-

"اما چون چیز ہا را با ترجمہ مقرر داریم بسیار خوب و خاطر خواہ ما می نویسد نمی خواہیم
کہ از ما جدا باشد"

اسی دوران مین اکبر نے ملا صاحب کو کتاب بحر الاسمار کو مکمل کرنے کا حکم دیا، انھون نے پانچ مہینہ مین اس کو پورا کیا، ایک روز اکبر نے تنہائی مین ملا صاحب کو اپنی خوابگاہ مین طلب کر کے کہا کہ سلطان زین العابدین کے ترجمہ کی زبان قدیم اور غیر متعارف ہے، اس لئے اسے دوبارہ سلیس فارسی مین ڈھالو، ملا صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی، اکبر نے اس کے صلہ مین دس ہزار تنکے انعام دیئے،[3]

ملا صاحب کی تاریخ بڑی جامع ہے، اس مین تاریخ کے علاوہ شعر و ادب کا بھی پہلو ہے، چنانچہ ملا صاحب نے مختلف دور کے شعراء و مصنفین کا بھی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے جس سے اُن کے ادبی اور علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے، اس لئے اُن کی تاریخ ایک گلدستہ مضامین بن گئی ہے، اُن کی تاریخ مین صرف طاؤس و رباب کے نغمے ہی نہین، بلکہ شمشیر و سنان کی جھنکار بھی ہے، یعنی جہان گل و بلبل اور ساقی و شراب کے افسانے ہین وہان تیغ و تبر کی تابانی بھی نظر آتی ہے، اس تاریخ مین ملا صاحب نے غزنوی

[1] منتخب التواریخ حصہ دوم ص ۳۷۴ [2] ایضاً حصہ دوم ص ۴۰۰ [3] ایضاً،

خاندان سے لے کر مغل حکمرانوں تک کی تاریخ کے علاوہ اُن کے دور کے شعرا، و مصنفین کے حالات لکھے ہیں اُن کے کلام و تصانیف پر رائے زنی بھی کی ہے جس سے تاریخ ایک اچھا خاصہ شعرا، کا تذکرہ بن گئی ہے،

سلطان ابراہیم مسعود بن محمود کے حال میں اس وقت کے مشہور شاعر مسعود سعد سلمان کا ذکر کرتے ہوئے اس کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں جو اُس نے سلطان ابراہیم مسعود کی شان میں لکھے تھے، اور اس کے چند اشعار بھی درج کئے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے[۶]

اے عزم سفر کردہ و بستہ کمر فتح

بکشادہ چپ و راست فلک بر تو در فتح

ابو الفرج رونی کا بھی ذکر کیا ہے، جو سلطان موصوف کا مداح ہے، اور جس کی شان میں رونی نے بہت قصیدے لکھے ہیں،

رونی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ رون کا باشندہ تھا، جو لاہور کے قریب ہے، مسعود سعد سلمان نے حسد کی بنا پر استاد ابو الفرج رونی کی بڑی مذمت کی ہے، جس کی وجہ سے اس کو دس سال قید خانہ میں رہنا پڑا، اور اس کی یہ رباعی جو اُس نے جیلخانہ میں لکھی تھی نقل کی ہے،[۷]

زندان ترا ملک تہی می باید   تا بند بپاے صدار (؟) می شاید

آنکس کہ ز پشت سعد سلمان زاید   گر مار شود ملک ترا نگزاید

ملا صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے عربی و فارسی دیوان بھی موجود ہیں،

سلطان بہرام شاہ کے عہد کے ادبی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کے زمانہ میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں کلیلہ و دمنہ بھی ہے، حکیم سنائی اس کا مداح تھا، اور بہت سے قصیدے اُس کی تعریف میں لکھے، سنائی کی مشہور کتاب حدیقہ کی بابت بھی لکھتے ہیں کہ حکیم موصوف نے

---

۶ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۳۶ ۷ ایضاً ص ۳۰

یہ کتاب قید کے زمانے میں لکھی تھی، اسی کی وجہ سے اہل غزنہ نے اُن پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا،

"حدیقۃ الحقیقت شیخ سنائی بنام اوست کہ در ایام حبس گفتہ و جہت حبس شیخ تعصب غزنویان بود در وادی تسنن"[۱]

بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ اُس نے علم کی بڑی سرپرستی کی، حکیم سنائی، اور سید حسن غزنوی اُس کے دربار کے بیشمار شعرا میں سے دو تھے، کلیلہ و دمنہ اور دوسری کتابیں اسی کے عہد میں لکھی گئیں، سید حسن غزنوی نے اس کی تخت نشینی کے وقت ایک قصیدہ لکھا تھا جسکا مطلع یہ ہے،

ندائی بر آمد ز ہفت آسمان[۲]   کہ بہرام شاہ است شاہ جہان

سید حسن غزنوی کا یہ شعر بہرام کو اتنا پسند آیا کہ اُس نے اپنے سکہ پر اسے نقش کرایا[۳] سید حسن غزنوی نے ایک قصیدہ مکہ معظمہ سے لکھ کر بہرام شاہ کے نام روانہ کیا، ملا صاحب نے اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں،

ہرگز بود کہ باز ببینیم لقاے شاہ   شکرانہ در دو دیدہ کشم خاک پاے شاہ

بہرام شاہ کہ جان سلاطین فداش باد   باشد کہ جان ایشان باشد سزاے شاہ

سیارگان چرخ در افتد چون شہاب   پاے ار بروں نہند ز حد وفاے شاہ[۴]

خسرو شاہ بن بہرام کی علمی سرپرستی کی بابت ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے عہد میں بھی بیشمار شعرا گذرے ہیں جنھوں نے اس کی تعریف میں قصیدے لکھے[۵]

"وہ مدت حکم او ہشت سال بود و در زمان او شاعران بزرگ بسیار بودہ اند و در مدح او قصائد گفتہ این بیت از ترجیع بندیست کہ بنام او پرداختہ اند:

شاہنشہ معظم خسرو شہ آنکہ آسمان   با تیغ و گرز گیرد از ہند تا خراسان

---

۱ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۳۰ ۲ ایضاً ص ۴۹ ۳ اسلامک کلچر انگریزی سہ ماہی جولائی ۱۹۲۹ء جلد ۳ نمبر ۳ ص ۳۷۱ ۴ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۰ ۵ ایضاً ص ۴۴

غزنویون کے بعد غوریون کے حالات بین ابھی اس دور کے شعرا اور اہلِ قلم کے حالات لکھے ہین، سلطان معزالدین محمد بن سام غوری کے ذکر مین لکھتے ہین کہ اس کے زمانہ مین بہت سے علما و فضلا، اور شعرا تربیت پاتے تھے جن مین امام فخرالدین رازی بھی تھے جنھون نے بیشمار کتابین لکھین، اس مین لطائف غیاثی بھی ہے، جو سلطان موصوف کے بھائی سلطان غیاث الدین کے نام معنون کی،

"علما و فضلا و شعرا در زمان او بسیار تربیت یافتند از آن جملہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کہ لطائف غیاثی و کتب دیگر بنام برادر او سلطان غیاث الدین ابوالفتح تصنیف کردہ"[1]

اس کے بعد لکھتے ہین کہ امام رازی سلطان معزالدین کے لشکر مین تھے کہ ایک روز بر سرِ منبر سلطان سے کہا کہ نہ تیری یہ عظمت اور شان باقی رہے گی، نہ میرا فخر، اس موقع پر ملا صاحب نے اسی کا ایک قطعہ درج کیا ہے،

اگر دشمن[2] نہ سازد با تو اے دوست ترا باید کہ با دشمن بسازی
دگر نہ چند روزی صبر فرما نہ او ماند نہ تو نہ فخر رازی

سلطان معزالدین کے قتل کے بعد لوگون کو امام رازی پر شبہہ ہوا کہ وہ بھی اس قتل مین شریک تھے اس لئے اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے، امام رازی بڑی مشکل سے بھاگ کر سلطان کے ایک امیر مؤید الملک سجزی کے یہان پناہ گزین ہوئے، ملا صاحب نے اس دور کے بہت سے شعرا کا مدحیہ کلام جو انھون نے سلطان معزالدین کی تعریف مین کہا تھا نقل کیا ہے، مگر ان کے نام نہین لکھے ہین، بعض اشعار یہ ہین،[3]

سلطان معز دین شہ غازی کہ در جہان تیغش چو ذوالفقار علی مرتضی شد است
سلطانِ حق محمدِ سام آنکہ خلق را مہرش چو مہر و دوستی مصطفی شد است

اور ایک شاعر کے اشعار نقل کرتے ہین اجو یہ ہین،

---

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۵۲ [2] ایضاً ص ۵۲ [3] ایضاً ص ۵۳ و ۵۴،

شاہِ زمانہ خسرو غازی معز دین کز دے فزود زینت تاج و کلاہ را
اصل ظفر محمد بن سام بن حسین آن حضرتش نشانہ شدہ فر شاہ را[1]

اس دور کے مشہور قصیدہ گو شاعر ناگی کے معزالدین کی مدح مین حسب ذیل اشعار نقل کئے ہین.

شہ[2] معزالدین کز دولت اوست ہم چو گلدستہ فلک بستہ میان
رفت بر تخت چو گل در وقتی کہ فلک برد خور اندر میزان
آنکہ در آتش قہرش بدخواہ جان شیرین بہ ہد شکریان
یارب این گلشکر دولت و دین سبب صحت عالم گردان

قاضی حمید بلخی کے اشعار نمونۃً لکھے ہین،

خسرو غازی[3] معزالدین والدنیا روز ہیجا با ہمایون رایتش ہمسر ظفر
بوالمظفر شہریار شرق کاندر معرکہ گو ئیا دارد ہمای چترش اندر پر ظفر

سلطان قطب الدین ایبک کے درباری شعرا مین بہاء الدین اوشی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے اشعار بھی درج کئے ہین،[4] ملا ناصری نامی شاعر کے متعلق یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہو کہ ناصری سلطان التمش کی مدح مین قصیدہ لکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین اوشیؒ کی خدمت مین حاضر ہوا، اور فاتحہ پڑھنے کی درخواست کی اس کی برکت سے اس کو بڑا انعام ملا اس کے بعد سلطان کے سامنے قصیدہ پڑھا، اور ابھی صرف یہ مطلع

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

پڑھا تھا کہ سلطان نے دریافت کیا کہ قصیدہ مین کل کتنے اشعار ہین، معلوم ہوا کہ ۵۰۳ سلطان نے اس ۵۰۳ ہزار ٹنکا انعام دیئے، اسی زمانہ مین چنگیز خان کے حملہ کے بعد امیر روحانی جن کا شمار افاضل وقت مین تھا، بخارا سے دہلی آئے اور سلطان التمش کی شان مین قصائد لکھے، ان کے چند اشعار بھی ملا صاحب نے

---

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۵۲، ۵۴، [2] منتخب التواریخ، ص ۵۴ [3] ایضاً ص ۵۵ [4] ایضاً ص ۵۷ و ۵۸ [5] گلہ رتیغ

کتاب میں نقل کئے ہیں[۱]،

سلطان رکن الدین فیروز کے زمانہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ شہاب مہمرہ بدائونی اس دور کا مشہور شاعر تھا جس کا ذکر امیر خسرو نے اپنے اکثر قصیدوں میں کیا ہے،

"در بداؤن مہمرہ سرست برخیزد ز خواب   گر برآید غلغلہ مرغان دہلی زین نوا[۲]"

ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی شاعر موصوف کو استادی کا درجہ دیتا تھا،

"و ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی او را باستادی یاد کردہ[۳]"

ملا صاحب نے اس شاعر کا تذکرہ بڑے اہتمام سے کیا ہے، اور اس کے بہت سے اشعار لکھے ہیں[۴]، اور دو پورے قصیدے نقل کئے ہیں، ناصر الدین التمش کے عہد کے مشہور شاعر شمس الدین دبیر کا بھی ذکر کیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کے کلام کی تعریف کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے، امیر خسرو نے خود اس کے اشعار کو معیار سمجھکر اپنے سامنے رکھا، اور اپنی کتاب غرۃ الکمال کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

"دار جملہ کہ در عہد ناصری کوس شاعری نواختہ بدرجۂ ملک الکلامی رسیدہ بودند یکے شمس الدین دبیر است و میر خسرو قدس اللہ سرہٗ عیار اشعار خود را بر محک قبول طبع او زدہ بآن مباہات فرمودہ در دیباچہ غرۃ الکمال در آخر ہشت بہشت کلام خود را بذکر محامد و نشر مناقب او زیب تمام بخشیدہ[۵]"

اس کے بعد اس کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں :-

بختہ دارم دل از اندیشۂ رویت کہ چراست   رنگ تو بختہ ہمین نقرۂ پیشانی خام

شست میدارم و ہر چند قوی میکنم   ریسمانی است ز من تابہ پریشانی خام

سلطان بلبن نے اپنے دور حکومت میں اسے منشی مملکت بنگالہ و کامرود کے درجہ پر فائز کیا تھا، سلطان بلبن خورد کے متعلق لکھتے ہیں کہ امیر خسرو اور میر حسن دہلوی دونوں اس کی خدمت میں تھے، سلطان موصوف نے

۱؎ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۶۵، ۶۶ ۲؎ و ۳؎ ایضاً ص ۷۰، ۴؎ ایضاً ص ۷۰، ۵؎ ایضاً ۹۴

شیخ سعدی کو ہندوستان لانے کے لئے بے شمار زر و جواہر شیراز روانہ کئے، لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے نہ آسکے، اور سلطان کو ایک خط لکھا کہ وہ امیر خسرو کی تربیت کرے،

"....... در نوبت زر بسیار از ملتان بشیراز فرستادہ التماس قدوم شیخ سعدی نمود، و شیخ بعذر پیری نیامدا با بہ ترتیب میر خسرو سلطان را وصیت فرمود.......[۱]"

ملا صاحب نے امیر خسرو کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، اور اُن کے بیشتر قصیدے اور مرثیے درج کتاب کئے ہیں اور امیر خسرو اور میر حسن دہلوی کا مفصل ذکر علیحدہ باب میں کیا ہے، خسرو کے متعلق لکھتے ہیں کہ اُن کی تصنیفات شہرۂ آفاق ہیں، اور انھوں نے ۶۹۸ھ میں اپنا خمسہ مکمل اور سلطان علاء الدین کے نام معنون کیا، پورا خمسہ دو سال کی مدت میں مکمل کیا، اور مطلع الانوار صرف دو ہفتہ میں لکھا[۲]،

"و خمسہ را در ۶۹۸ھ بنام سلطان علاء الدین در مدت دو سال تمام ساختہ و از ان جملہ مطلع الانوار را در دو ہفتہ گفتہ چنانچہ می فرماید"،

سال کز ین چرخ کہن گشتہ بود   از پس شش صد نود و ہشت بود

از اثر اختر گردون خرام   شد بدو ہفتہ مہ کامل تمام

میر حسن دہلوی کی بابت لکھتے ہیں کہ ان کا دیوان دنیا میں مقبول ہو چکا ہے، اور اس دور میں بہت سے شعرا صاحب دیوان تھے، لیکن ان دونوں کی موجودگی میں اُن کا ذکر کچھ پسندیدہ نہیں ہے[۳]،

"دران عہد اگر چہ شعراء دیگر صاحب دواوین بودہ اند، اما با وجود این دو بزرگوار ذکر آنہا خوش نمی آید" مصرع

"چو آفتاب برآید ستارہا عدم است"

امیر خسرو نے ۷۲۵ھ میں وفات پائی، اور دہلی میں اپنے پیر و مرشد نظام الدین اولیاؒ کے قدموں میں

۱؎ منتخب التواریخ حصہ اول ص ۱۳۰، ۲؎ ایضاً ص ۲۰۰، ۳؎ ایضاً ص ۲۰۱،

دفن ہوئے، مولانا شہاب معمائی نے اس قطعہ سے ان کی تاریخِ وفات نکالی، اور کندہ کر کے مزارِ مبارک پر نصب کی،

میر خسرو خسروِ ملکِ سخن ———— آن محیطِ فضل و دریاے کمال

نثرِ او دلکش تر از ماءِ معین ———— نظمِ او صافی تر از آبِ زلال

بلبلِ دستان سراے بیقرین ———— طوطیِ شکر مقالِ بیمثال

از پے تاریخِ سالِ فوتِ او ———— چون نہادم سر بزانوے خیال

شد عدیم المثل یک تاریخِ او ———— "دیگرے شد طوطیِ شکر مقال"[1]

میر حسن دہلوی کی وفات کی بابت لکھتے ہین کہ انھون نے دولت آباد مین وفات پائی، اور وہین دفن کئے گئے، اور لوگ اُن کے مزار کی زیارت کے لئے یہان آتے ہین، ملا صاحب، جامی کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہین، جو میر حسن سے منسوب ہین،

آن دو طوطی کہ بنو خیزیِ شان ———— بود در ہند شکر ریزیِ شان

عاقبت سخرۂ افلاک شدند ———— خامشان قفسِ خاک شدند[2]

سلطان بلبن کے لڑکے قاآن الملک کے زمانہ مین مغلون کے حملہ مین امیر خسرو کو قید کر لیا گیا تھا، اور اُن کی بڑی مذمت کی گئی تھی، ملا صاحب لکھتے ہین،[3]

"و میر خسرو نیز دران روز در بندِ لاہوری نو کر مغول افتادہ بود و بار توبرہ و جل بر سر داشت و در آن حالت یاد میدہد و میگوید،

ہنکہ بر سر نمی نہادم گل ———— بار بر سر نہادہ گشتہ جل"

ملا صاحب چونکہ ادبی ذوق رکھتے تھے، اس لئے امیر خسرو کی تصنیف غرۃ الکمال کے دیباچہ کا

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۲۰۱ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۹۶

خلاصہ مناسب طریقہ سے نقل کیا ہے،[1] امیر خسرو کے کلام پر انھون نے جو راے دی ہے، وہ ایک نقادِ ادب ہی کی راے ہو سکتی ہے، خسرو کی تاریخ خزائن الفتوح کی بابت لکھتے ہین کہ یہ ایک لاجواب تمثیل ہے جس کی مثال نہین مل سکتی، اس کے کلام کی جتنی تعریف کیجائے کم ہے،[2]

"در تاریخ خزائن الفتوح بعبارتے آوردہ کہ معجزہ است و طاقت بشری از اتیان مثل آن بعجز قائل و معترف اگرچہ تمام کلام آن خسرو شاعران ازین نمط است و تعریف و فرق نہادن دیگرے فضول و غلط"

سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے ذکر مین بدر الدین شاشی کا حال بھی بیان کیا ہے، شاشی صاحبِ دیوان تھا، اور یہ دیوان دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے، شاشی غیاث الدین کا منظور نظر تھا، اور اسی کے لطف و کرم پر زندگی بسر کرتا تھا، سلطان غیاث الدین نے جب تغلق آباد تعمیر کرایا، تو شاشی نے فادخلوہا سے اسکی تاریخ نکالی،[3] ملا صاحب لکھتے ہین کہ بدر شاشی نے ایک شاہنامہ لکھ کر سلطان محمد کے نام معنون کیا تھا،[4]

سلطان فیروز شاہ کے ادبی ذوق کے متعلق لکھتے ہین کہ جب نگر کوٹ کا نام بدل کر اُس نے محمد آباد رکھا، اس وقت یہان ایک بڑا مندر تھا جس مین "نوشابا" نامی ایک مورتی تھی، اس مندر مین تیرہ سو سنسکرت کی کتابین تھین جو جوالا مکھی کے نام سے مشہور تھین، سلطان فیروز نے ان کتابون کا فارسی مین ترجمہ کرایا، اُن کے ترجمون مین سے ایک عز الدین خالد خانی تھا، جو شاعر بھی تھا، اور منشی بھی، اس نے ستارون سے متعلق ایک کتاب کا ترجمہ کیا تھا، اور دلائل فیروزی اس کا نام رکھا تھا، ملا صاحب لکھتے ہین کہ انھون نے یہ کتاب شروع ۔ آخر تک لاہور مین ۹۷۲؁ مین پڑھی، اور اس کے متعلق یہ راے دی ہے:

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۱۵۴، ۵۵، ۵۶ [2] ایضاً ص ۱۸۶ [3] ایضاً ص ۲۲۲ [4] ایضاً ص ۲۲۱،

"آن را از اول تا آخر دیده خالی ہم نیست و تعریف ہم نی"[1]

ان مین بہت سی کتابین موسیقی اور دیگر فنون پر مشتمل تھین ، جو زیادہ مفید اور کار آمد نہین تھین ،

"و بعضے در غیر آن و اکثر آن را بے حاصل یافت غالباً بے مزگی آن از جہت رنائت مطلب یا صوبت تعبیر خواہد بود"[2]

سلطان فیروز کا وزیر خان جہان علم و ادب کا بڑا مربی اور سرپرست تھا ، اس کے حکم سے مولانا داؤد نے ہندی مثنوی چندابجان کا فارسی نظم مین ترجمہ کیا ، یہ مثنوی لورک اور چندا کے عشق پر مبنی ہے ، یہ قصہ اس زمانہ مین بہت مشہور اور ہر دلعزیز تھا[3] ، اس مین تصوف کی جھلک تھی ، اس لئے شیخ تاج الدین واعظ ربانی اُس کو برسر منبر پڑھتے تھے ، لوگون نے اعتراض کیا کہ یہ قصہ ہندی الاصل ہے ، اس لئے اس کو نہین پڑھنا چاہئے ، شیخ نے کہا کہ یہ قصہ تصوف اور وحدانیت اور عشق حقیقی سے لبریز ہے اور بعض آیات کی تفسیر کے لئے مفید ہے ،

"جواب داد کہ تمام آن حقائق و معانی و ذوقیت و موافق بوجدان اہل شوق و عشق و منطبق بہ تفسیر بعضے از آیات قرانی و خوش آوازان ہند حالا ہم بہ سواد خوانی آن صید دلہا می نمایند"[4]

امیر خسرو کا لڑکا ملک احمد بھی فیروز شاہ کے عہد کا ایک معروف شاعر تھا ، ملا صاحب لکھتے ہین کہ اس کے دیوان کا پتہ نہین ہے ، لیکن اس نے اپنے پیشرو شعرا ظہیر فاریابی وغیرہ کے تتبع مین اشعار کہے ہین مگر افسوس اس کا کوئی شعر یاد نہین ہے ،

"بعضے اشعار او نیز بنظر در آمدہ اما بخاطر نماند"[5]

اس دور کے دوسرے شاعر مولانا مظہر کڑہ کے متعلق لکھتے ہین کہ وہ صاحب دیوان تھا ، اور

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۲۴۹ ، [2] ایضاً ص ۲۴۹ ، [3] ایضاً ص ۲۵۰ ، [4] ایضاً ص ۲۵۰ ، [5] ایضاً ص ۲۵۷ ،

اس کے دیوان مین پندرہ یا سولہ ہزار اشعار تھے ، اس کا کلام اس کے دور مین زیادہ مقبول نہین ہوا ، تاہم محاسن سے خالی نہین ہے ، سلطان علاء الدین سکندر شاہ بن محمد شاہ بن فیروز شاہ کے زمانۂ شہزادگی مین کسی صاحب قلم نے مقامات حریری کے جواب مین ایک کتاب لکھی ملا صاحب خود لکھتے ہین کہ انھون نے اس کا ایک مقامہ پڑھا ہے ،

"و فاضلی در زمان شہزادگی مقامات حریری را جواب داد بنام او تصنیف کردہ مقامہ از ان بنظر آمدہ"[1]

سلطان محمود شاہ کے دور مین قاضی ظہیر دہری مشہور شاعر گذرا ہے ، یہ بھی صاحب دیوان تھا اس نے سلطان کی مدح مین بہت سے قصیدے لکھے ، ملا صاحب لکھتے ہین کہ اس کے بعد ہندوستان مین دوسرا کوئی اس کے ہم پلہ شاعر وجود مین نہین آیا ،

"و الحق بعد از قاضی ظہیر شاعرے کہ شعرش گرامی خواندن کند در ہندوستان بر نخاست"[2]

ملا صاحب نے سلطان سکندر لودھی کے عہد کے بے شمار شعراء مین صرف ایک برہمن شاعر کا ذکر کیا ہے ، لکھتے ہین کہ باوجود کافر ہونے کے علمی و رسمی کتابون کا درس دیا کرتا تھا ، اس کا ایک مطلع یہ ہے ،

"دیگی از شعرائے عہد سلطان سکندر برہمن بود ، میگویند کہ باوجود کفر کتب علم رسمی را درس میگفت و این مطلع از وست کہ در زمین مسعود بیگ گفتہ است"

"دل خون شدی چشم تو خنجر نشدی گر[3]
رہ گم نہ شدی زلف تو ابتر نشدی گر"

(باقی)

[1] منتخب التواریخ حصہ اول ص ، ۲۶ [2] ایضاً ص ۳۸۳ [3] ایضاً ص ۳۲۳ ،

مینا بازار کا مصنف

از

ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی لکچرار عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی

لفظ مینا بازار سے ذہن فوراً اُس زنانہ بازار کی طرف منتقل ہوتا ہے جس کو شہنشاہ اکبر نے اپنے عہد کی عجیب و غریب صنعتوں سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے قلعہ دہلی میں ماہانہ جشن کے تیسرے روز منعقد کرنے کا آئین جاری کیا تھا، (آئینِ اکبری)

بادشاہ ان ایام کو "خوش روز" (یوم فرشاد) کے نام سے یاد کرتے تھے، یا پھر اس دوسرے مینا بازار کی طرف ذہن جاتا ہے جس کی بقول تحفہ ابراہیم عادل شاہ نے بیجا پور میں بھی داغ بیل ڈالی تھی، لیکن مجھ کو اس وقت ان زنانہ بازاروں کے متعلق بحث کرنا مقصود نہیں، بلکہ میں اس عجیب و غریب فارسی کتاب کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں جو مینا بازار کے نام سے مشہور ہے، اور جو اس زنانہ بازار ہی کی تعریف میں تصنیف کی گئی ہے،

عرصۂ دراز سے علمائے زبان فارسی اس کتاب کو فارسی نثر کی ایک بلند پایہ تصنیف شمار کرتے آئے ہیں، اسکی عبارت کی شان، اُس کی شگفتگیٔ بیان، مضامین کی رنگینی، طرزِ ادا کی شیرینی، حسین استعارات، دلکش تشبیہات، خوبصورت و خوشنما تراکیب لفظی و معنوی صنائع کی کثرت اہل نظر کے دلوں کو مسحور کرتی رہی ہیں، اگرچہ اب زمانہ بہت کچھ بدل گیا ہے، اور اہل زمانہ کے ذوق میں بھی تبدیلی ہوگئی ہے، مگر اہلِ فضل و اربابِ کمال کی نگاہوں میں آج بھی اسکی وہی عظمت ہے،

مگر یہ عجیب بات ہے کہ جتنا ہی اہل علم کی نگاہ میں اس کتاب کا مرتبہ بلند اور اسکی زبان کی پاکیزگی

مسلّم ہے، اتنا ہی عوام اور بعض مصنفین کے نزدیک اس کا مصنف مشتبہ اور غیر متعین ہے، اگر ایک مصنف اس کو ظہوری کی تصنیف قرار دیتا ہے تو دوسرا ارادت خان واضح کی تصنیف تبلاتا ہے، چنانچہ حال ہی میں ایک کتاب "ظہوری اور اس کی تصانیف (Zuhuri-Life and works)" دیکھنے میں آئی جو میرے لائق دوست ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی تصنیف ہے، ابھی اس کی پہلی جلد نکلی ہے، یہ کتاب موصوف کی وہ تحقیقی تالیف ہے جسے لکھنؤ یونیورسٹی نے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری (سند فضیلت) کے لئے منظور کیا ہے، اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے مصنف مینا بازار کے متعلق بھی بحث کی ہے، مگر باوجود انتہائی کاوش اور کوشش و تحقیق کے وہ جزم و یقین کے ساتھ کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکے، چنانچہ آخر میں لکھتے ہیں،

"مینا بازار ممکن ہے کہ واضح کی تصنیف نہ ہو کسی اور کی ہو، لیکن ظہوری تو کسی طرح اس کا مصنف ہو ہی نہیں سکتا" (تالیف مذکور ص ۲۴۳)

اب تک تو اختلاف صرف دو ہی مصنفین یعنی ظہوری یا واضح میں تھا، مگر ڈاکٹر صاحب نہ صرف یہ کہ ظہوری کو اس کا مصنف نہیں مانتے بلکہ کسی تیسرے مصنف کا امکان بھی پیدا کر دینا چاہتے ہیں، اگر میری معلومات کی رسائی کی حد تک میرے نزدیک مینا بازار کا مصنف ظہوری اور صرف ظہوری تھا ہے، اس کے متعلق اپنی تحقیق کے نتائج پیش کرتا ہوں،

ڈاکٹر صاحب موصوف نے جن اسباب کی بنا پر مذکورۂ بالا نتیجہ نکالا ہے، یا بعض دوسرے مصنفین کے لئے جو امور ظہوری کو مصنف ماننے کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں، میرے نزدیک اُن کی بنیاد تین ہی چیزوں پر ہے، (الف) ظہوری کے مطبوعہ کلیات یا اسکے قلمی نسخوں میں مینا بازار کا نہ ہونا (ب) بعض تذکرہ نگاروں کا ظہوری کی تصنیف ہونے سے انکار کرنا (ج) بعض قیاسات، ذیل میں اُن کے متعلق ترتیب وار اپنے خیالات پیش کرتا ہوں،

الف، کلیات و مخطوطات میں ذکر نہ ہونا

(۱) مخطوطہ رامپور میں جو ظہوری کے انتقال کے تقریباً ۹۴ ہی سال بعد نقل ہوا ہے اور جس کا نام کلیات ظہوری ہے، اس میں مینا بازار کا ذکر نہیں،

۲- مخطوطہ بانکی پور لائبریری اور مخطوطہ لٹن لائبریری علی گڈھ بھی اس کتاب کے معاملہ مین خاموش ہین ،

۳- کتاب مینا بازار جن جن مطابع مین طبع ہوئی ہے ، مثلاً مصطفائی ، گلشن محمدی ، نولکشوری وغیرہ سب مطبع والون نے خاتمۃ الطبع مین اسے ظہوری کے بجائے ارادت خان واضح کی تصنیف بتایا ہے ، ظہوری کے خلاف بس اسی قدر مخطوطات ہین لیکن اس کے مقابلہ مین بعض دوسرے مخطوطات مین ظہوری کو مصنف قرار دیا گیا ہے مثلاً

۱- بانکی پور لائبریری کا مخطوطہ (نمبر ۷۶۰) اور برٹش میوزیم کا مخطوطہ (ج ۲ ص ۷۴۲) اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا مخطوطہ (رسائل ظہوری نمبر ۱۳۹) اور شرح تصنیفات ظہوری (نمبر ۳۶۲) یہ چار مخطوطات کھلے الفاظ مین مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف بتاتے ہین ، یہ سب متاخرین مین سے ہین اور بعض تو مینا بازار کے ابتدائی فقرہ عصمتیان حیا پردہ و خلوتیان پاک نظر " کا حوالہ دیکر لکھتے ہین کہ یہ ظہوری کی تصنیف ہے ،

جن مخطوطات مین مینا بازار کا ذکر ظہوری کی تصنیف کی حیثیت سے نہین ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس بارہ مین خاموش ہین یعنی انھون نے ظہوری کے مصنف ہونے کی تردید نہین کی ہے ، اور یہ نہین لکھا ہے کہ ظہوری نہین بلکہ کوئی دوسرا شخص مصنف ہے ، اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ چیز قابل غور ہوتی ، ورنہ محض مجموعہ مین اس کتاب کے موجود نہ ہونے کی تو یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے آخر کے مینا بازار والے صفحات کسی طرح ضائع ہو گئے ہون ، یا وہ کسی ایسے مجموعہ سے نقل ہوئے ہون جس مین اتفاق کی وجہ سے مینا بازار شامل نہ ہو سکی ، ہو اسی طرح تصانیف ظہوری مین مینا بازار کا تذکرہ نہ ہونے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ کسی ایسے ہی مجموعہ یا کلیات سے تیار کیا گیا ہو جس مین مینا بازار نہ رہی ہو ،

۲- اہل مطابع کی غرض جلب زر ہوتی ہے ، نہ کہ کسی مسئلہ کی تحقیق ، اور ان کا اصول تو افواہ عام کی پیروی ہے ، چونکہ عام طور سے شہرت یہی تھی کہ مینا بازار ارادت خان واضح کی تصنیف ہے اس لئے اسی کو انھون نے لکھدیا ، اس لئے اہل مطابع کی سند پر کوئی فیصلہ کرنا کسی طرح قرین قیاس نہین ، انکی ستم ظریفی کا حال تو یہ ہے کہ تقریباً ہر اہل مطبع بڑی شان سے خاتمۃ الطبع مین حواشی کے استناد کے لئے تو

اپنا ماخذ بہار عجم " کو بتلاتا ہے ، اور مینا بازار کا مصنف ارادت خان واضح کو قرار دیتا ہے ، اور کسی کو اس کی توفیق نہین ہوتی کہ ذرا یہ دیکھ لے کہ بہار عجم مین مینا بازار کا مصنف کس کو بتایا گیا ہے ، جیسا کہ آگے آتا ہے " وہ اس کا مصنف ظہوری کو بتاتے ہین ، مگر چونکہ بعض اہل مطبع نے واضح کو اس کا مصنف لکھدیا ہے اس لئے اس کی تقلید مین دوسرون نے بھی وہی لکھنا شروع کر دیا ،

مدرس صاحبان کے پیش نظر صرف حل لغات اور ترجمہ کی تفہیم ہوتی ہے ، اس لئے انھون نے بھی اس طرف توجہ نہ کی ، البتہ خواص اور محققین نے ضرور اس کی تحقیق کی لیکن ان کی تحقیق اہل مطابع کی افواہ کے ساتھ مشہور نہ ہو سکی ،

(ب) بعض تذکرہ نگارون کی تحریری شہادت ظہوری کے خلاف

۱- پروفیسر محمد حسین آزاد جیسا محقق شخص سخندان فارس مین لکھتا ہے : کوئی کہتا ہے کہ مینا بازار ارادت خان کی ہے ، کوئی کہتا ہے ظہوری کی ہے ،"

(ب) یہی مصنف نگارستان فارس مین لکھتا ہے " مینا بازار کو بھی ناواقف لوگ مشہور کرتے ہین کہ ظہوری کا ہے ، مگر اہل تحقیق سے سنا گیا ہے کہ ارادت خان کا ہے " (ص ۴۳)

۲- احمد علی لکھتے ہین کہ " مینا بازار ظہوری کہ درین ایام نہایت شہرت دارد ، گویند ، از انشائے واضح است "

۳- ڈاکٹر ریو نے واضح کے حالات کے ضمن مین مینا بازار کو واضح کی تصنیف بتایا ہے ، اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اسے ظہوری کی تصنیف بتاتے ہین ، ممکن ہے کہ ابراہیم عادل شاہ نے بیجاپور مین جو زنانہ بازار لگایا تھا ، ظہوری نے اس کا حال لکھا ہو ،

غالباً انہی تذکرہ نگارون کے اقوال کی بنا پر اس کتاب کو واضح کی تصنیف بتایا جاتا ہے ، مگر خود یہ اقوال قابل بحث ہین ، مثلاً پروفیسر آزاد کا حال یہ ہے کہ ہمایون نامہ گلبدن بیگم کی جو تحقیق انیق انھون نے کی ہے ، اور بقائے دوام کے دربار مین جہانگیر کی بابت جو کچھ لکھا ہے ، اس کا حال علامہ شبلی کی زبان سے سنئے ،

آبحیات میں حکیم مومن خان کے متعلق جو تحقیق کی ہے، اس کی حقیقت گلِ رعنا میں دیکھیے، آتش کی نماز کا جو حال اہلِ ماذ کے حوالہ سے آبحیات میں لکھا ہے اس پر زبانِ خلق کی تنقید ملاحظہ کیجیے، اس لئے پروفیسر آزاد کی سند پر کوئی قطعی فیصلہ کرنا درست نہیں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے شہرتِ عام کو باوزن بنانے کے لئے اہلِ تحقیق کے حوالہ سے درج نگارستان کردیا ہو، کسی کتاب میں احمد علی صاحب نے بھی گویند (فعل محذوف الفاعل) سے اس کو تعبیر کیا ہے، اور پروفیسر آزاد نے بھی "سنا گیا ہے" صیغۂ مجہول لکھا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تنہا واضع کا نام نہیں بتلایا ہے، بلکہ ظہوری کا نام بھی لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو بھی پورا یقین نہیں تھا، اور ڈاکٹر ریو صاحب تو اس کے اس قیاس کی کہ ظہوری کی مینا بازار میں بیجاپور کا ذکر ہوگا، بنیاد ہی غلط ہے، کیونکہ اس کی بنیاد دو مفروضات پر ہے، اول یہ کہ بیجاپور میں بھی زنانہ بازار لگتا تھا، جو کسی تاریخی اور معتبر ماخذ سے ثابت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ ظہوری نے زنانہ بازار دیکھا ہوگا، ورنہ بغیر دیکھے کیسے لکھتا، مگر جیسا کہ ابو الفضل نے لکھا ہے، یہ مسلم ہے کہ ظہوری اکبر کے دربار میں نہیں گیا؛

اسلئے یہ محقق ریو کا قیاس ہے جس کی تائید کسی تاریخ سے نہیں ہوتی، اس نے اس بنیاد پر جو رائے قائم کی جائے گی، وہ بھی صحیح نہ ہوگی، یہ تو تذکرہ نویسوں کے بیانات کی حیثیت تھی، اس کے مقابلہ میں ایسے بیانات بھی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مینا بازار اسی ظہوری کی تصنیف ہے،

۱- ابراہیم خلیل جو بارہویں صدی کے اواخر کا ایک مصنف اور سوانح نگار ہے، مینا بازار کو ظہوری کی طرف صاف صاف منسوب کرتا ہے، اور واضع کا نام بھی نہیں لیتا ہے،

۲- صاحبِ غیاث اللغات: اپنے لغات کے دیباچہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں "..... وزنانہ بازار و رقعات و سہ نثر ظہوری" الخ، اور ظاہر ہے کہ زنانہ بازار سے مراد مینا بازار ہی ہے،

۳- منشی ٹیک چند بہار: فرہنگ بہارِ عجم ایک مشہور کتاب اور بڑے بڑے اہلِ علم کا ماخذ ہے، اس کا مصنف لکھتا ہے:

"نور الدین ظہوری کہ در مینا بازار در تعریف بازار نوشتہ چون سرمایہ داران نقد ...... محمل می خوانند"

(جلد دوم ص ۲۳۵)

اس کے یہ جملے ایسے صاف وصریح ہیں کہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے،

۴- محمد بادشاہ: جو فرہنگ آنندراج کے مصنف اور مہاراجہ وزیانگرم کے میر منشی تھے، اپنی فرہنگ کی جلد سوم ص ۷۳۵ پر صاحب بہار عجم ہی کے الفاظ میں جزم ویقین کے ساتھ صرف ظہوری کو مینا بازار کا مصنف لکھتے ہیں،

۵- عبد الغنی: جو تواریخ العرب اور ارمغان وغیرہ بہت سی کتب کے مصنف ہیں اپنے تذکرۃ الشعرا میں ظہوری کے تذکرہ میں اسے ظہوری کی تصنیف بتاتے ہیں، اور گو اس تذکرہ میں واضع کا حال بھی ہے مگر اس میں مینا بازار کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے ظاہر ہو کہ وہ بھی اسے جزماً ظہوری ہی کی تصنیف سمجھتے ہیں،

۶- عبد الرزاق سوتی: جنھوں نے سہ نثر ظہوری کی شرح بھی لکھی ہے، صاف اور غیر مبہم الفاظ میں لکھتے ہیں:-

"ہر سہ دیباچہ و پنج رقعہ و زنانہ بازار از کلام آن مقتدائے سخن (ظہوری)....."

(مقدمات ظہوری ص ۱)

۷- ڈاکٹر ایتھے: اس جرمن مستشرق کی تحقیق بھی یہی ہے کہ مینا بازار ظہوری ہی کی تصنیف ہے،

۸- امام بخش صہبائی: جو بارہویں صدی کے اواخر اور تیرہویں صدی کے اوائل کے فارسی ادبیات کے بڑے مشہور اور مسلم محقق اہلِ علم ہیں، اور جنھوں نے سہ نثر، پنج رقعہ، مینا بازار وغیرہ فارسی ادبیات کی بہت سی کتابوں کی شرح بھی لکھی ہے تحریر کرتے ہیں:-

"نہ نانہ بازار کہ "خواص" "نتیجہ خامۂ گوہر بار ظہوریش دانند و "عوام" "ثمرۂ افکار عمرو و زید خوانند"

جس سے اُن کی راے کی شدت ظاہر ہوتی ہے،

ایک دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ مین لکھتے ہین :-

"چون صاحب بہار عجم این فقرہ را بہ سند آوردہ نوشتہ (کہ نور الدین ظہوری در مینا بازار در تعریف نثر از گوید) ازین جا معلوم می شود کہ محقق ہمین است کہ این نسخہ از ظہوری است و اینجا از ارادت خان واضح گویند اصلے ندارد"

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر نذیر احمد نے صہبائی کی اس تحقیق کو یہ کہکر کم وزن اور نظر انداز کرنا چاہا ہے کہ "وہ متاخرین مین سے ہین" مگر احقر کی راے مین محض تاخر زمانی کسی کے غیر مستند ہونے کے لئے کافی نہین ہے، معری نے کیا خوب کہا ہے کہ متاخرین بھی کبھی کبھی متقدمین سے بڑھ جاتے ہین،

دانّی وان کنت الاخیر زمانہ
لآتٍ بمالم یستطعہ الاوائل

۹۔ ریورنڈ جوئل واغلال اپنی کتاب (An Introductory His- tory of Persian Literature -(ادبیات عجم کی تعارفی تاریخ) مطبوعہ لاہور مین ص ۱۷۶ پر لکھتے ہین کہ مینا بازار ظہوری کی تصنیف ہی،

مینا بازار کے مصنف کی تحقیق کے سلسلہ مین ان تمام بیانات کو نظر انداز نہین کیا جا سکتا،

ج۔ قیاسات جو ظہوری کے خلاف قائم ہوتے ہین

مینا بازار کے ظہوری کی تصنیف نہ ہونے کے متعلق جو قیاسات قائم ہو سکتے ہین، وہ حسب ذیل ہین :-

۱۔ مینا بازار اگر ظہوری کی تصنیف ہوتی، تو متقدمین کے یہان اس کا تذکرہ ضرور ہوتا،

۲۔ اگر ظہوری اس کا مصنف ہوتا تو نا ممکن تھا کہ وہ اپنے ولی نعمت اور "محبوب" بادشاہ

ابراہیم عادل شاہ کا ذکر اس مین نہ کرتا،

۳۔ مینا بازار کا رنگ ظہوری کی دیگر تصانیف سے بہت سے امور مین مختلف ہے، اس لئے ظہوری کی تصنیف نہین معلوم ہوتی مثلاً :

(الف) بلند پروازی اور شعریت جو عموماً ظہوری کی نثرون مین پائی جاتی ہے، مینا بازار مین مفقود ہے،

(ب) ظہوری کی اکثر نثرین سجع و قافیون کے زیورون سے آراستہ ہین، مگر مینا بازار مین یہ باتین نہین ہین،

(ج) ظہوری کی دوسری نثرون مین جا بجا، مثنوی، قطعہ وغیرہ بھی ملتے ہین، اس مین نظم کا نام نہین صرف دو شعر آگئے ہین جن کا ہونا نہونا برابر ہے،

۴۔ ظہوری دہلی اور آگرہ نہین آیا، اس لئے اُس نے بازار نہین دیکھا، اس صورت مین اس کا ظہوری کی تصنیف ہونا مستبعد ہے، اس مین شک نہین کہ مذکورۂ بالا دو بحثون (کلیات مین نہونا، بعض تذکرون کی وسوسہ اندازی) کے ساتھ اگر یہ تیسری چیز (ظہوری کے خلاف قرائن و قیاس) بھی شامل ہو جائے، تو ظہوری کے خلاف شبہہ زیادہ قوی ہو جاتا ہے، اور غالباً اسی وجہ سے ہمارے محترم فاضل دوست نے یہ نتیجہ نکالا کہ

"مینا بازار ممکن ہے واضح کی تصنیف نہو، کسی اور کی ہو، لیکن ظہوری تو اس کا مصنف کسی طرح نہین ہو سکتا،"

لیکن احقر کی راے مین اس نتیجہ پر پہونچنے مین موصوف نے جلدی کی، اگر وہ ذرا اور غور اور توجہ سے کام لیتے، تو وہ بھی ظہوری ہی کے بارہ مین فیصلہ کرتے، کیونکہ پہلی دو بحثون سے جیسا کہ مین نے اوپر دکھلایا ہے، نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ظہوری کی ہے، اس کے بعد قرائن و قیاسات کی گنجایش کم باقی رہتی ہے، تاہم اُن کو بھی صاف کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے،

۱- یہ شبہ کہ متقدمین (گیارھوین صدی اور اوائل بارھوین صدی کے مصنفین) کے مخطوطات اس معاملہ مین خاموش ہین، اور صرف متاخرین اسے ظہوری کی تصنیف بتاتے ہین، یہ تو عین اس کی دلیل ہے کہ مینا بازار ظہوری ہی کی تصنیف ہے، کیونکہ ظہوری کا زمانہ واضح سے تقریباً ایک صدی قبل ہے، اور متاخرین کا زمانہ ظہوری کے مقابلہ مین واضح سے قریب تر ہے، اس لئے اگر مینا بازار واضح کی تصنیف ہوتی تو متاخرین ہرگز اس کو فراموش نہ کرتے، اور بلا وجہ سو برس پہلے کے ظہوری کے سر اس کی تصنیف کا سہرا باندھ دیتے، بلکہ جس طرح محققین نے واضح کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہین کیا ہے اسی طرح متاخرین بھی کرتے اور ظہوری کا نام بھی اس سلسلہ مین نہ لیتے۔

۲- فاضل مولف کی رائے یہ بھی ہے کہ اس کی تحریر ظہوری کے اسلوب بیان سے ملتی جلتی ہے اور واضح کی طرز تحریر کے بالکل خلاف ہے۔ نہ تاریخ ارادت خان کا اسلوب اس کے موافق ہے، متقدمین نے اسے واضح کی تصنیف نہین بتایا، اور معلوم نہین واضح نے زمانہ بازار کی ایجاد کے سو برس بعد یہ کتاب کیون لکھی جبکہ کوئی چیز جو اب نظر نہین آ رہی تھی،

اس بنا پر وہ یہ تو قیاس کر سکتے ہین کہ یہ کتاب ہے تو ظہوری ہی کی، مگر اس نے اپنا نام ظاہر نہین کیا ہے، اس کا مسودہ سو برس بعد واضح کے ہاتھ لگ گیا، واضح نے بھی اس مین کوئی خیانت نہین کی اور اسکو اپنی جانب منسوب نہین کیا، بلکہ صرف اپنے قلم سے اس کو نقل کیا، بعد مین جب لوگون کو یہ نقل واضح کے قلم سے ملی تو انھون نے اس کو اس کی تصنیف سمجھ لیا، مگر اہل نظر نے اندازہ کر لیا کہ یہ تو ظہوری کی طرز انشا سے مماثل ہے، اور ظہوری ہی کی چیز ہے، اس صورت مین تمام اقوال اپنی جگہ پر قائم رہتے، نہ ظہوری کی حق تلفی ہوتی نہ واضح پر الزام آتا، اور التباس و اشتباہ کا بہترین حل نکل آتا، اور اس تاویل و قیاس کی ضرورت نہ پڑتی کہ

"غالباً مینا بازار کو ظہوری کی طرف اس وجہ سے منسوب کرتے ہین کہ عمدہ، رنگین بلند پایہ نثر (فارسی) کی تحریر کو خصوصاً جبکہ اس کا مصنف مشتبہ اور ملتبس ہو ظہوری کی طرف منسوب کرنا بہت آسان ہے، کیونکہ وہ اسی قسم کی نثر عالی کا موجد و مالک ہے، (ص ۳۵۰)

اس کا بھی اعتراف کرنا کہ مینا بازار کا اسلوب واضح کے اسلوب سے متاثر اور ظہوری کی طرز سے مماثل ہے

اور پھر یہ بھی رائے رکھنا کہ مینا بازار خواہ واضح کی تصنیف ہو یا کسی اور کی، یہ ناممکن ہے کہ ظہوری کی تصنیف ہو، احقر کے نزدیک قرین صواب نہین "اجتماع اضداد" کی مثال ہے۔

۲- یہ قیاس کہ ظہوری کی تصنیف مین ابراہیم عادل شاہ کا ذکر نہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا بلبل کا عشق گل سے خالی ہونا، بہر حال قیاس ہی ہے، کسی وجہ سے ظہوری نہین چاہتا تھا کہ اس کی تحریر کا علم ابراہیم عادل شاہ کو ہو، اور عقلاً ایسی کئی وجوہ ہو سکتی ہین،

مثلاً ظہوری نے کسی دوسرے کی فرمایش پر قطب دہلی کے اس بازار کا بیان لکھ کر اسے دے دیا ہو، اور کسی ادیب اور شاعر کے ایسے کامون کی مثالین کم نہین، اس لئے اس مین عادل شاہ کا ذکر نہ کیا ہو، مگر بعد کے نقادون نے اس کی طرز تحریر سے پہچان لیا ہو کہ یہ ظہوری کی تصنیف ہے،

ظہوری نے دربار اکبری کے اہل قلم کے سامنے اپنے کمال کا اس طرح اظہار کرنا چاہا ہو کہ اس نے بے دیکھی ہوئی چیز کی مصوری دیکھی ہوئی چیز کے برابر کر دی،

۳- اسی جوابی قیاس مین تیسرے قیاس کا جواب ہو جاتا ہے یعنی مینا بازار ظہوری کے طرز سے پوری مماثلت اسی لئے نہین رکھتی کہ

(الف) اس نے یہ تحریر دوسرے کی فرمایش پر لکھی تھی، اس لئے اس مین ظہوری کی دوسری تحریرون کی شان پیدا نہ ہو سکی، اس کے علاوہ مشاہدہ کی ہوئی چیز اور بے دیکھی ہوئی چیز کے بیان مین فرق ہوتا ہی ہے، ان دیکھی چیز کی مصوری مین وہ زور قلم پیدا نہین ہو سکتا جو دیکھی ہوئی چیز مین ہوتا ہے،

(ب) ظہوری کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اپنے محبوب اور دیار محبوب کے علاوہ کسی دوسرے مقام و شخص کے لئے زور قلم صرف کرے،

(ج) نظم کا نہ ہونا ایک نہایت بعید از قیاس دلیل ہے، ہر مصنف کی ہر کتاب مین نثر کے ساتھ نظم کا ہونا ضروری نہین ہے،

۴۔ ظہوری نے گو زنانہ بازار خود نہین دیکھا تھا، (اور دربار اکبری کے کسی امیر نے بھی خود زنانہ بازار نہین دیکھا ہوگا جسے بھی اس کا حال معلوم ہوا ہوگا، اپنی اپنی بیویون ہی کی زبانی معلوم ہوا ہوگا) مگر اپنی قادر الکلامی، استادی، مشاقی اور تخیل کی قوت سے اس کو لکھدیا، یہ کوئی ناممکن بات نہین ہے،

ان تینون بحثون کے صاف ہوجانے کے بعد گو یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی ہوگی کہ کتاب مینا بازار کا مصنف واضح نہین بلکہ ظہوری ہے، مگر اس سلسلہ مین بعض داخلی شہادتین بھی پیش کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے،

میرے نزدیک سہ نثر کی رنگینی کا خوشنما باغ، اور مینا بازار کی زنگار رنگ پھلواریان ایک ہی باغبان کی تخم ریزی و آبیاری کا نتیجہ اور ایک ہی مصنف کے نادر قلم کا اعجاز ہین، کیونکہ دونون مین لفظی و معنوی صنائع سجع اور قافیہ تخیل کی پرواز محاکات ترکیبون کی خوشنمائی الفاظ کی شوکت وغیرہ مین بڑی مشابہت ہے، اس کی مثالین ملاحظہ ہون،

۱۔ مثال سجع و قافیہ:

سہ نثر: بہ استعارۂ بحر کفش ابر در فشانی و بہ تشبیہ رخسارۂ دلفروزش، آفتاب زر درخشانی (نثر اول)

مینا بازار: بہ استعارۂ نازکی خویش خار حسن بر گل نازک بدن طعنہ زن و بہ تاثیر طراوت گل خندہ اش نیز رونق خزان و کنش شگفتہ رونی گلشن، (گلفروش)

۲۔ مثال حسن ترکیب،

سہ نثر: آوازۂ طومار بلاغتش آویزۂ گوش فصاحت و شور شیرینی گفتارش نمک آمدہ ملاحت

مینا بازار: چون یاقوت گوہر در کنار لب لعلش گوہر افشانی برداشتہ، نرخ گوہر جان را کہ بہا ندارد از بہائے گوہر اشک بیدلان ارزان تر ساختہ، (جوہری)

اس کے علاوہ مینا بازار مین بعض تراکیب و محاورات بجنسہ اسی طرح ملتے ہین جس طرح سہ نثر

وغیرہ مین استعمال ہوئے ہین، مثلاً

۱۔ مینا بازار مین پہلے ہی جملہ مین ہے:

"وقتِ گرمی بازار نشاط است و بساط انبساط"

اور سہ نثر ظہوری مین ہے،

"وخوش نغمان چمنِ نشاط کہ بہ بساط انبساط پرداختہ"

اشتقاق کی یہ خوبصورت اور خوش تراش ترکیب "بساطِ انبساط" صاف بتا رہی ہے کہ دونون کا مصنف ایک ہی ہے،

۲۔ سہ نثر مین [illegible] ایہام مین ہے:

"در تیر بارانِ ناقہ زدہ پیری می بود"

اور مینا بازار مین وصف جوہری مین ہے:

"از تیر بارانِ طعنۂ تنگی آن …… الخ"

یہ بھی واضح رہے کہ میر واضح نے بھی یہ خیال ادا کرنا چاہا ہے مگر تیر بارش کا لفظ اور وہ بھی ناتمام استعمال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہین:

ارباب حالِ او کہ بجز درگہِ تو نیست — از تیر بارشِ فلک اورا دگر حصار

ناتمام مین نے اس لئے کہا ہے مصنف مینا بازار اور مصنف سہ نثر جو میرے نزدیک ایک ہی شخص ہے جو ظہوری ہے، وہ تو دونون جگہ اتنا باسلیقہ اور خوش مذاق ہے کہ تیر باران کے ابہام کے دفعیہ کے لئے تمیز بیان کر دیتا ہے، ایک جگہ ناقہ کو تیر سے استعارہ کیا ہے، دوسری جگہ طعنہ کو تیر باران بتایا ہے، مگر میر واضح نے کچھ بھی واضح نہ کیا کہ فلک سے آخر کون سے تیرون کی بارش ہوئی، اس سے میر واضح کا ذوق واضح ہوگیا،

۳ - سہ نثر گلزار ابراہیم مین ہے "گلزار ابراہیم در خسارۂ یوسف طلعتان نمرود نخوت ، رسانیدہ"

مینا بازار مین وصف تمباکو فروش مین ہی " دودش در کوچۂ نے چہ سنبلستانہا رسانیدہ"

دونون جگہ رسانیدن کو معنی دمانیدن لکھنا ایک ہی مصنف کی خبر دیتا ہے ۔

۴ - سہ نثر خوان خلیل مین ہے " ...... دست نظر نقش بر طاق بلند نہادہ

مینا بازار مین ہے " ہر چند قوس قزح ...... صنعت رنگ آمیزی را بر طاق بلند نہادہ"

یہان بھی وہی یکسانی ہے یعنی آنرا بہ مرتبہ رسانیدہ کہ دست ہر کسے بدانجا نہ رسد"

۵ - اہل فارس لفظ "یعنی" کو اہل عرب کی طرح حسب موقع جملہ اختلاف ضمائر کے ساتھ استعمال کرتے ہین ، اس طرح کہ مخاطب مقولہ کے لئے تعنی کہین گے ، واحد متکلم کے لئے اعنی اور جمع متکلم کے لئے نعنی اور بصیغہ غائب بمعنی "مراد آنکہ" علی العموم استعمال نہین کرتے لیکن یہ لفظ دونون کتابون مین بصیغہ غائب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون کا مصنف ایک ہی ہے ، مینا بازار کے شروع ہی مین ہے یعنی در مینا بازار ...... الخ اور سہ نثر مین ہے ،

طاؤس ہمتی بمرمنقار تیز کن ۔۔۔ یعنی کہ بال و پر مکن سایہ بان مخواہ ۔

۶ - ظہوری خوان خلیل مین لکھتے ہین :

بالب خمش اگر باشد دہان خندہ ۔۔۔ دشمن بر بند دبخونش شاخ دبرگ زعفران

مینا بازار مین ہو از اتش رنگ بدخشان بدخشان لعل آبدار در دل نہفتہ ، گاہ افشاے راز ، دہان خندہ حرف سبک مائگی سیلان دگران مہر مائگی خود درست کند ، گفتہ"

دیکھئے یہان دونون جگہ "دہان خندہ" کو "لیاقت خندہ" کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون کا مصنف ایک ہی ہے ۔

۷ - "از" کا باوجود کے معنون مین استعمال بھی دونون جگہ یکسان ملتا ہے ، مینا بازار مین ہی :

"از بسیاری بنقد جان بسیا بازان" اور سہ نثر مین نثر سوم مین ہے :

ذہے شہود عرفان طراز قمی ۔۔۔ کہ از قطرگی بود در قلزمی

۸ - "سخن" کو "تمنا" کے معنی مین دونون کتابون مین استعمال کیا گیا ہے :

دیباچہ نورس مین ہے : "از بعد فرد دہ باد شنیدن ما گفتن سخن شہنشاہ الخ" اور مینا بازار مین حلوائی کے لئے لکھتے ہین "تنگ تنگ سخن نبات در بار بر در بیچی الخ"

۹ - ظہوری نے جس طرح "است" کو سہ نثر مین تامہ لکھا ہے

اگر وزم است رنگینی از صبا مستی ۔۔۔ دگر بزم است عیش بشان زجا مستی

اسی طرح مینا بازار مین بھی ہے "وقت گرمی مینا بازار نشاط است" مولانا عباسی لکھتے ہین "کلمہ است تامہ است وگر نہ یک وقت دیگر مقدر باید گردد تا تمام آن بہم رسد ...... دگر کلمہ تامہ باشد ضرور ت تقدیر وقت ، رفع گردد ، (انتہاء بجا صلہ)

یہ مماثلت اور یکسانی کی صرف چند مثالین ہین ، اگر زیادہ دیدہ ریزی کی جائے تو اور مثالین بھی مل سکتی ہین ،

اگر ان داخلی شہادتون کے ساتھ تینون بحثون کے خارجی دلائل کو بھی شامل کر لیا جائے ، تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے ، کہ مینا بازار مین کسی وجہ سے ظہوری کی حسب ذیل خصوصیات نہین پائی جاتی ہین ،

۱ - حمد و نعت کا مضمون جس مین صنعت براعۃ استہلال بھی ہو ، (جیسا کہ سہ نثر کی نثر اول مین ہے) ، (۲) اپنے معشوق ابراہیم عادل شاہ کی تعریف (۳) اثنائے نثر مین جابجا اشعار کا استعمال (۴) اپنے نام کا اظہار (۵) نثر مین اتنی وسعت دینا کہ کہین کہین وہ کسی نہ کسی بحر مین موزون ہو جائے ، (۶) رنگینی شعریت اور علو تخیل کی بہتات ،

مگراس کے باوجود مینا بازار مین انشائے بدیع کی اتنی غمازی ہوگئی، اور اس کی اس قدر جھلک آگئی
کہ وہ پکار پکار کر کہتی ہے کہ وہ ظہوری کے قلم کی تراوش کا نتیجہ ہے،

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے چند باتین کہنا اور مناسب معلوم ہوتا ہے،

۱۔ ایسی بلند پایہ تصنیف جس پر ظہوری جیسے مسلم الثبوت کا نام بھی چست اور موزون بیٹھتا ہے، اگر
ارادت خان کی تصنیف ہے، تو اس کو اپنا نام مخفی رکھنے کی کیا ضرورت تھی، اس کے ذریعہ اس کا نام بلند
ہوسکتا تھا،

واضح تو ظہوری کی طرح عزلت گزین، گوشہ نشین اور قناعت پسند بھی نہین تھے، ظہوری نے اگر
نام نہین دیا، تو اس کی وجہ اُن کی مشہور آزادہ روی اور گوشہ نشینی تھی، لیکن واضح تو ایسے نہین تھے،

۲۔ میر واضح، اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے آدمی تھے، اس دین پرور بادشاہ کے عہد
مین اکبر کی یہ خلاف شرع بدعت (یعنی عورتون کا بازار جس مین بادشاہ اور شہزادے نقاب منھ
پر ڈال کر موجود ہون) کا باقی رہنا قیاس مین نہین آتا، اورنگ زیب نے ضرور یہ بازار بند
کردیا ہوگا، پھر میر واضح کو ایک ایسی چیز پر قلم اٹھانے کی کیا وجہ ہوئی، جو اس کے زمانہ مین
موجود نہ تھی (ظہوری کا معاملہ دوسرا تھا، گو بیجاپور مین زنانہ بازار نہین لگتا تھا، اور دلی کا
بازار اُس نے نہین دیکھا تھا، لیکن یہ بازار لگتا تو اسی کے عہد مین تھا، اس لئے ظہوری کا اس پر
قلم اٹھانا تو بعید از قیاس نہین، لیکن واضح کا قیاس مین نہین آتا، اور یہ خیال کہ واضح نے اکبر
ہی کے عہد مین لکھا ہوگا تو اس کی تردید خود ہمارے فاضل دوست کرچکے ہین کہ سو برس بعد کیون
لکھا جب اسمین کوئی جاذبیت نہ تھی) یہان یہ شبہہ کرنا کہ اورنگزیب نے جس بازار کو بند کرا دیا تھا،
چونکہ میر واضح نے اس پر قلم اٹھایا تھا، اس لئے سے بادشاہ کی خفگی کا اندیشہ تھا، قطعًا غلط ہوگا
[illegible] کہ اورنگزیب خود ایک منداینہ انشاء پرداز تھا، اور انشاء پردازی کا ایسا سچا قدردان تھا

کہ جب اس کے داروغہ باورچی خانہ مرزا محمد عالی الملقب بہ نعمت خان نے محاربہ دکن کے زمانہ مین اورنگ زیب
کی ہجو کہی، اور اس کو معلوم ہوا تو کسی برہمی کے بجائے خود یہ ہجو سُنی اور سُن کر بہت ہنسا، اور نعمت خان
عالی کو انعام سے سرفراز کیا، ایسے قدردان بادشاہ کی جانب سے واضح کو خفگی کا اندیشہ کیسے ہوسکتا تھا،

۳۔ ہمارے فاضل دوست نے اپنے مقالہ مین مینا بازار کی جائے وقوع "جھبون" اور "اکبرم" درہٗ
لکھی ہے، اس کے متعلق مجھے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ دونون مقامات دہلی، فتحپور سیکری، آگرہ مین بھی ہین،
اگر اس پر کچھ زیادہ روشنی ڈالے ہوتے تو بہتر تھا، کیونکہ میرے علم مین یہ دونون مقامات لکھنؤ مین ہین،

سیرۃ النبی تقطیع کلان و تقطیع خورد اور سیر الصحابہ کے ستون

میں کافی رعایت

گذشتہ سال سیرۃ النبی تقطیع کلان جلد سوم تا ششم مین جو غیر معمولی رعایت کی گئی تھی، وہ اس سال
مین بھی قائم رکھی گئی ہے، اور سیرۃ النبی تقطیع خورد اور سیر الصحابہ کے ستون مین بھی رعایتیں بدستور باقی ہین، جن کی
تفصیل درج ذیل ہے،

نام کتاب	اصل قیمت	رعایتی قیمت
سیرۃ النبی تقطیع کلان جلد سوم تا ششم	للعہ ر	عہ ۸ر
″ ″ خورد مکمل ۷ جلدین	للعہ ۸ر	للعہ
سیر الصحابہ مکمل ایک سٹ	للعہ ۱۲ر	للعہ ر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

جنایات بوجہ غفلت

ساتوان باب اجیر مشترک کی ذمہ داری

از

ڈاکٹر محمد غوث ، ایم اے ، پی ، ایچ ، ڈی

(۳)

اسلامی فقہا کی رائین واضح ہو کہ کسی اجیر مشترک سے کسی خلاف قانون فعل کا ارتکاب وقوع مین آئے تو اس کی دو صورتین ہو سکتی ہین، یا اس کی حیثیت مباشر کی ہوگی یا مسبّب کی۔

مباشر اور مسبب کی توضیح اس مقام پر مباشر اور مسبب کی اصطلاحون کی کسی قدر تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے، امام غزالی نے یہ وضاحت کی ہے کہ

"مباشرہ سے مراد یہ ہے کہ اتلاف کی علت کو پیدا کیا جائے، مثلاً کسی کو قتل کر دینا یا کوئی شے کھا لینا یا کوئی چیز جلا ڈالنا، سبب سے مراد یہ ہے کہ ایسے ذرائع پیدا کئے جائین جن کی وجہ سے اتلاف واقع ہو، لیکن اتلاف کی اصلی علت ان ذرائع کے سوا کوئی اور امر ہو، مگر یہ فرض ہے کہ وہ ذرائع جن سے اتلاف وقوع مین آیا ہو، اسی توقع پر پیدا کئے گئے، ہون کہ وہ اتلاف کی علت بن جائین گے، اسی بنا پر اگر کسی کے مال کے اتلاف پر کسی دوسرے شخص کو مجبور کیا جائے، تو اس کی ذمہ داری خود متلف پر عائد ہوگی، اسی طرح ایک شخص ایک ایسے مقام پر باولی کھودتا ہے جہان باؤلی کی کھدائی درست نہین، اس باولی مین ایک دوسرے شخص کا چوپایہ گر کر ہلاک ہو جاتا ہے، اس صورت مین باولی کھودنے والے پر ذمہ داری عائد

ہوگی، لیکن اگر کوئی اور شخص کسی چوپایہ کو باولی کی جانب ہانک دے، اور چوپایہ باولی مین گر کر ہلاک ہو جائے تو اس صورت مین ہانکنے والے پر ذمہ داری ہوگی، کیونکہ یہان مباشر کو مسبب پر تقدم حاصل ہو گیا ہے"[۱]

غرض اگر اجیر مشترک بطور مباشر کسی جنایت یا غفلت کا مرتکب ہو تو اس پر اس قاعدہ کا اطلاق ہوگا،

"المباشر ضامن وان لم یتعمد"[۲] مباشر ذمہ دار ہوگا گو اس سے تعمد عمل مین نہ آئے۔

اگر اجیر مشترک بطور سبب جنایت یا غفلت کا مرتکب ہو تو اس پر اس قاعدہ کا اطلاق ہوگا،

"المتسبب لا یضمن الا بالتعمد"[۳]

اسی قاعدہ کو علامہ سرخسی نے دوسری طرح یون بیان کیا ہے کہ

"المتسبب اذا کان متعدیاً فی سبب فھو ضامن"[۴] اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسبب سے تعمد کا اظہار ہو تو اس وقت وہ ذمہ دار ہوگا،

مثلاً ایک شخص نے اپنے احاطہ مین آگ رکھی جو ہوا کے رخ پر تو نہین تھی، مگر ہوا چلنے سے آگ دوسرے کے احاطہ مین پھیل گئی جس کی وجہ سے کوئی شے جل گئی، تو اپنے احاطہ مین آگ رکھنے والا ذمہ دار نہ ہوگا[۵]

---

[۱] الوجیز ص ۲۰۵ جلد اول ۱۳۱۷ھ و ابن رشد کی بدایۃ المجتہد ص ۲۹۵ جلد ۲، جنایات بر جائداد کے مقالہ مین جہان "افعال انسانی اور اُن کے نتائج کے علاقہ کی نسبت اصول فقہ کے قواعد کے عنوان سے بحث کی گئی ہے، وہان علت اور سبب کی اصطلاحون کی پوری بسط و شرح کے ساتھ تشریح کر دی گئی ہے، جنایات بر جائداد کے مقالہ انجمن ترقی اردو (ہند) مین زیر طبع ہے، کچھ مزید بحث آگے بھی آئے گی [۲] مجلۃ الاحکام مادہ ۹۰ ص ۳۳ [۳] مجلۃ الاحکام مادہ ۹۳ صفحہ ۲۳ [۴] المبسوط ص ۱۰۶ جلد ۲۶، [۵] مجلۃ الاحکام مادہ ۹۲۹ ص ۳۳،

اس کے ساتھ یہ قاعدہ بھی ذہن مین رکھنا چاہئے کہ مسبب سے تعدی کا صدور نہ ہونا چاہئے، ورنہ اگر مسبب کی تعدی کی بنا پر کوئی اتلاف وقوع مین آیا تو پھر مسبب اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا،

مثلاً ایک شخص نے اپنے احاطہ مین باولی کھودی، جس مین کسی دوسرے شخص کا چوپایہ گر کر ہلاک ہو گیا، تو جیسا کہ امام غزالی نے بھی وضاحت کی ہے، باولی کھودنے والے پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی، لیکن اگر باولی کسی عام راستہ پر کھودی، اور حاکم سے اس کی اجازت بھی نہین لی، اور اس باولی مین کسی کا چوپایہ گر کر ہلاک ہو گیا، تو باولی کھودنے والا اس کا ذمہ دار ہو گا، [1]

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مباشر اور مسبب دونون ایک ہی واقعہ مین جمع ہو جائین، اس صورت مین مباشر ذمہ دار ہو گا، مسبب کی دوسری صورتین بھی ہو سکتی ہین، مثلاً کسی واقعہ کا صدور دو مسببون کی وجہ سے ہو، کبھی ایک مسبب سے تعدی صادر ہوتی ہے، اور دوسرے سے نہین، ان سب امور کی تفصیل کا یہان موقع نہین ہے،

ان اصولی قواعد کو ذہن مین رکھ کر اس کی عملی صورتین دیکھنا چاہئین، مگر اس موقع پر اس اصولی قاعدہ کی صراحت ضروری ہے،

"فی کل موضع لم یصح الامر لا یضمن الآمر" [2]

اسی قاعدہ کلیہ کے ماتحت ان تمام امور کا تصفیہ ہوتا ہے، جو زیر بحث مسئلہ سے پیدا ہوتے ہین،

عملی صورتین چند عملی صورتین نیچے بیان کی جاتی ہین،

۱۔ زید نے بکر کو اس کام پر مامور کیا، کہ وہ خالد کا مال غصب کرے، تو اس صورت مین بکر جو بنفسہ غاصب ہے ذمہ دار ہو گا، کیونکہ اس قسم کا حکم دینا جائز نہین تھا، اور جہان کہین بھی حکم دینا [3]

---

[1] مجلۃ الاحکام ج ۵ ص ۲۴۵ ص ۱۳۵ [2] محمود افندی الجزاوی التحریر فی ضمان الآمر المامور والاجیر ص ۱ قاعدہ اول

[3] ایضاً ص ۱۰،

جائز نہ ہو، وہان آمر ذمہ دار نہین ہو گا،

۲۔ مثلاً زید نے بکر سے کہا کہ وہ خالد کا کپڑا پھاڑ ڈالے، اس نے پھاڑ ڈالا، تو اس صورت مین بکر ذمہ دار ہو گا،

۳۔ زید نے بکر کو یہ ہدایت دی کہ وہ خالد کی بکری ذبح کر ڈالے اس نے ذبح کر ڈالی تو بکر پر ذمہ داری عائد ہو گی بشرطیکہ بکر کو زید کی ہدایت کے صحیح ہونے کا علم نہ رہا ہو، اور اگر بکر کو ہرجانہ ادا کرنا پڑے تو اس کو یہ حق حاصل رہے گا کہ اس کے لئے زید (آمر) پر رجوع کرے،

۴۔ بکر نے عمرو کو ایک دیوار مین دروازہ لگانے کا کام سپرد کیا، عمرو نے اس کی تعمیل کی، بعد مین معلوم ہوا کہ دیوار غیر کی تھی، اس صورت مین عمرو ذمہ دار ہو گا، کیونکہ اسی سے مال غیر کا اتلاف صادر ہوا، البتہ عمرو کو ہرجانہ ادا کرنا پڑے، تو وہ اس کے لئے بکر کی جانب رجوع کر سکتا ہے، کیونکہ عمرو کے علم مین بکر کا حکم دینا درست تھا، [1]

مثالون کے نتائج ان مثالون سے حسب ذیل امور اخذ کئے جا سکتے ہین،

۱۔ مامور پر دعوی ہوا اور مامور آمر پر رجوع نہ کر سکے، یہ اس صورت مین ہو گا جب مامور کو آمر نے یہ بات بتا دی ہو کہ جس کام کی تکمیل اس کے سپرد کی گئی ہے، وہ خلاف قانون ہے،

۲۔ آمر پر دعوی ہوا اور وہی ذمہ دار ہو، یہ اس وقت ہو گا جب مامور کو حکم کے جواز کا علم نہ ہو،

۳۔ مامور پر دعوی ہوا اور اس کو جو ہرجانہ ادا کرنا پڑے، اس کے لئے اس کو آمر کی جانب رجوع کرنے کا حق حاصل رہے، یہ اس وقت ہو گا جب کہ آمر مسبب ہو، اور مامور مباشر،

۴۔ اگر آمر و مامور دونون متسبب ہون، تو وہ شخص ذمہ دار ہو گا جس سے تعدی کا صدور ہوا ہو، [2]

ان امور کو دوسرے طریقہ سے یون بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص مباشر ہو، تو ہر حال مین دعوی

---

[1] یہ سب مثالین محمود آفندی کی التحریر سے ماخوذ ہین [2] الہدایہ ص ۸۰ جلدین آخرین ۱۳۰۳ھ.

اسی پر دائر کیا جائے گا، اگر حکم دینا جائز تھا، تو مامور اپنے ادا کئے ہوئے ہرجانہ کی واپسی کے لئے آمر کی جانب رجوع کر سکے گا، اور اگر حکم دینا جائز نہ تھا، تو مامور اپنے ادا کئے ہوئے ہرجانہ کی وصولی کے لئے آمر پر رجوع نہ کر سکے گا، تسبیب کی صورت میں اگر حکم دینا جائز تھا تو دعویٰ آمر پر دائر کیا جائے گا، اور اسی سے ہرجانہ بھی وصول کیا جائے گا اور اگر حکم دینا جائز نہ تھا تو دعوی مامور (اجیر) پر دائر ہوگا، اور ہرجانہ ادا کرنے کا وہی ذمہ دار ہوگا،[۵]

علامہ محمود آفندی نے ان تمام امور کو بہت اچھے پیرایہ میں بیان کیا ہے جس کو یہاں دہرانا، موزون ہوگا وہ لکھتے ہیں کہ تعمیر، بکری کے ذبح کرنے اور گڑھا کھودنے کے سلسلہ میں جو حکم دیا جاتا ہے، ان میں باہم فرق ہے بکری ذبح کرنے اور اس کے مماثل مقدمات میں ہرجانہ کا دعوی مرتکب پر دائر کیا جائے گا، کیونکہ وہی مباشر ہے، اگر آمر کا حکم دینا جائز ہو سکتا تھا، تو مامور (اجیر) آمر کی جانب رجوع کرکے اپنا ادا کیا ہوا ہرجانہ وصول کر سکے گا، مثلاً آمر نے مامور سے کہا کہ میرے لئے میری اس بکری کو ذبح کیا جائے یا میرے اس مکان میں کوئی تعمیر عمل میں لائی جائے، اور مامور کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ چیزیں آمر کی ملک نہیں ہیں، اور بعد میں اس کو اس کا علم ہوا، تو مامور اپنی مباشرت کی بنا پر تو اپنے فعل کا ذمہ دار ہوگا، لیکن اپنے ادا کئے ہوئے ہرجانہ کو آمر سے وصول کر سکے گا، اور اگر آمر کا حکم دینا صحیح نہیں تھا، مثلاً اس نے یہ کہا کہ میرے ہمسایہ کی بکری کو ذبح کیا جائے، اور مامور نے اس کی تعمیل کی، تو اس صورت میں خود مامور ذمہ دار سمجھا جائے گا، اور وہ اپنے ادا کئے ہوئے ہرجانہ کو وصول کرنے کے لئے آمر کی جانب رجوع نہ کر سکے گا،

گڑھا کھودنے اور اس میں کسی شخص کے گرنے کا مسئلہ مندرجہ صدر صورتوں سے مختلف ہے، گڑھا کھودنے والا مباشر نہیں، بلکہ متسبب ہے، اس مسئلہ کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک شخص کو ہدایت دی کہ وہ فلاں زمین میں گڑھا کھود دے، مامور نے اس کی تعمیل کی، اس کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ زمین آمر کی ملکیت نہیں ہے، اس گڑھے میں کسی شخص کا چوپایہ گر کر ہلاک ہوگیا، تو اس صورت میں ابتدا ہی سے ذمہ داری

[۵] بیان محمود آفندی کی التحریر سے اخذ کیا گیا ہے، ص ،

آمر پر عائد ہوگی، کیونکہ یہاں آمر اور مامور دونوں کی حیثیت متسبب کی ہے، اور یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جس کام میں دو متسبب جمع ہو جائیں، تو ذمہ دار وہ ہوگا جس سے تعدی کا صدور ہوا ہو، اور اس واقعہ میں آمر سے تعدی صادر ہوئی، کیونکہ اس نے مامور کو دھوکہ دیا، اس لئے آمر ہی ذمہ دار ہوگا،

اس کے برخلاف اگر مامور کو اس بات کا علم حاصل ہو کہ گڑھا آمر کی زمین پر نہیں کھودا جا رہا ہے اور آمر نے اس کی پوری صراحت کردی تھی، تو اس صورت میں ذمہ داری مامور پر عائد ہوگی، کیونکہ آمر کا مامور پر اس نوعیت کا حکم دینا جائز نہیں تھا، اور آمر سے کوئی دھوکہ دہی بھی وقوع میں نہیں آئی، اس لئے لامحالہ یہ فعل مامور ہی سے منسوب ہوگا، اور اسی کو ہرجانہ ادا کرنا پڑے گا، اور ہرجانہ کی ادائی کے بعد مامور اس کو وصول کرنے کے لئے آمر کی جانب رجوع بھی نہ کر سکے گا،

مختصر یہ کہ ان تمام مسائل کا مدار آمر کے حکم کے جواز پر ہوگا، اگر حکم دینا جائز ہو سکتا تھا، تو مامور اپنے ادا کئے ہوئے ہرجانہ کو وصول کرنے کے لئے آمر کی جانب رجوع کر سکے گا، اور اگر حکم دینا ناجائز تھا، تو پھر مامور آمر پر رجوع نہ کر سکے گا،[۵]

مامور یا اجیر مشترک کی ذمہ داری کے مستثنیات

ان امور کی تفصیل کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی فقہا نے مامور کی ذمہ داری کے مستثنیات کیا قرار دیئے ہیں،

علامہ محمود آفندی نے لکھا ہے کہ کچھ دنوں پہلے تک ان مستثنیٰ صورتوں کو حصر نہیں کیا جا سکتا تھا، علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ایک حد تک ان کے حصر کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود کئی مثالیں ایسی تھیں جو علامہ ابن نجیم کی بیان کردہ صورتوں کے علاوہ فقہ کی کتابوں میں نظر آتی تھیں،

فتاوی الانقروی میں ان مستثنیٰ امور کو مندرجہ ذیل چار ابواب میں منحصر کر دیا گیا ہے،

(۱) اکراہ (ناجائز) (۲) غصب، (۳) غرور (دھوکہ دہی)، (۴) مامور کے کسی فعل کا فائدہ آمر کو پہنچنا

[۵] محمود آفندی الحمزاوی، التحریر ص ۱۳ تا ص ۱۵

ان کے متعلق تفصیلات اوپر بیان ہو چکی ہیں لیکن جیسا کہ قاضی ابن رشد نے صراحت کی ہے، اس قسم کے مقدمات میں ذمہ داری عائد کرنے کا اصلی معیار یا تو تعدی کا صدور ہونا چاہئے، یا مصلحت عامہ اور حفاظت اموال[۱]

انگریز ارباب قانون نے بھی مصلحت عامہ ہی کو معیار قرار دینے کی جانب اپنا رجحان بتایا ہے[۲]

انگلستانی قانون کی مستثنیٰ صورتوں کا مقابلہ اسلامی فقہ سے

اوپر کی بحث کے بعد اب انگلستانی قانون کی قرار دادہ مستثنیٰ صورتوں پر اسلامی فقہاء کے مقرر کردہ اصولوں کے تحت نظر ڈالی جاتی ہے،

۱- اگر معاہدہ (اجیر مشترک) ایسے کام کے انجام دینے کے لئے مامور کیا گیا ہو، جو فی نفسہ خلاف قانون ہو تو انگلستانی قانون کی رو سے مامور کرنے والا شخص ذمہ دار ہوگا،

انگلستانی قانون کا یہ اصول اسلامی علماء قانون کے مغائر ہے، اسلامی فقہ کا اصول یہ ہے کہ تضاف الفعل الی الفاعل مالم یکن مجبرا، المباشر ضامن وان لم یتعمد"

یہ ہو سکتا ہے کہ خود مختار اجیر کا یہ فعل واقعات کی روداد کے رو سے اسلامی فقہاء کی بیان کردہ کسی استثنائی شکل کے تحت آجائے، اس صورت میں لامحالہ آمر ذمہ دار قرار پائے گا، اس کے علاوہ روداد مقدمہ کے ضمن میں مامور یا خود مختار اجیر کے علم اور اسکی ناواقفیت کی بحث بھی سامنے آئے گی، جس کی پوری صراحت اوپر گذر چکی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مامور کو اپنے فعل کے خلاف قانون ہونے کا علم ہو تو وہی ذمہ دار ہوگا، اور اگر علم نہ ہو تو جو جرمانہ ادا کیا گیا ہو وہ آمر سے وصول کیا جا سکے گا،

۲- انگلستانی قانون کی رو سے اگر اصل شخص پر کسی قسم کا بالذات انجام دینے کی ذمہ داری

---

[۱] بدایۃ المجتہد ص ۱۹۳ ج ۲ مطبوعہ ۱۳۵۳ھ [۲] سامنڈ لا آف ٹارٹس ص ۱۰۹، ۱۹۲۸ء

قانون کی رو سے عائد ہوتی ہو، اور وہ اس کام کو کسی خود مختار اجیر کے سپرد کر دے تو اس اجیر کی غفلت کی ذمہ داری اصل شخص پر عائد ہوگی،

یہ استثنائی قاعدہ بھی اسلامی فقہا کے قواعد کے مطابق نہیں ہے، اور قاعدہ ماقبل پر اس کو بھی منطبق کرنا چاہئے،

۳- انگلستانی قانون کی رو سے یہ استثنائی قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی فرض ایسا ہو جو ذمہ داری مطلق کی نوعیت کا ہو، جس میں غفلت کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا ہو، تو اس صورت میں یہ جواب دہی نہ ہو سکے گی کہ جنایت کا وقوع کسی خود مختار اجیر کی غفلت سے ہوا،

اسلامی فقہاء کے قواعد کے اعتبار سے یہ بھی پہلے استثنائی قاعدہ کے مطابق ہے،

۴- بعض افعال ایسے ہیں جو قانون انگلستان کی رو سے ذمہ داری مطلق کے تحت نہیں آتے، اور ان کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قانون کے خلاف ہیں، اس کے باوجود ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے[۱]

اس استثنائی شکل میں بھی فقہائے اسلامیہ کے انہی قواعد پر عمل ہوگا جو تفصیل کے ساتھ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں،

اس سلسلہ میں ایک ایسی مثال کے تحت یہ دیکھنا مناسب ہوگا کہ اس پر قانون انگلستان کا کونسا قاعدہ اور اسلامی فقہ کا کونسا قاعدہ منطبق ہوتا ہے،

مثلاً عمرو نے زید کو بطور گتہ دار یہ کام سپرد کیا کہ وہ سڑک میں ایک نالی کھود کر مکان کی موری کو زیر زمین بدررو سے ملحق کر دے، گتہ دار نے جو نالی کھودی، اس کو غفلت سے درست طور سے نہیں پاٹا، نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹھ گئی، جس سے ایک رہرو کو راستہ چلتے ہوئے مضرت اٹھانی پڑی،

اس صورت میں انگلستانی قانون کی رو سے عمرو ذمہ دار ہوگا، گو اس سے کسی غفلت کا صدور نہیں ہوا[۲]

---

[۱] ان چاروں استثنائی قواعد کے متعلق اسی فصل کی ابتدا میں حوالے بیان ہو چکے ہیں [۲] سامنڈ لا آف

مگر اسلامی ارباب قانون کے قواعد کے مطابق عمرو اور زید دونون مسبب ہین، اور جہان دو مسببون کا اجتماع ہوجائے، وہان ذمہ داری اس مسبب پر قائم کی جائے گی، جس سے تعدی کا صدور ہو، اور اس مثال مین تعدی زید سے صادر ہوئی، اس لئے وہی ذمہ دار قرار پائے گا، لیکن چونکہ زید کے کام کا فائدہ عمرو کو پہنچا ہے، اور نالی کھودنے سے اسی کے گھر کے پانی کی نکاسی کا انتظام کیا گیا تھا، اس لحاظ سے استحسانی صورت کی رو سے ذمہ داری عمرو پر عائد ہوگی، (باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸۱) ٹارٹس ص ۱۳۶، ص ۳۸۰،

ہندوستان کی قومی زبان

شری سمپورنانند جی کا ایک پرانا مضمون[۱]

ذیل کا مضمون ہمارے صوبہ کے وزیر تعلیم کا ہے، ہندی اردو کے قضیہ مین آپکے نام نامی کو جو خصوصیت حاصل ہے، اُسے بتانے کی ضرورت نہین، آپنے اس مضمون مین یہ فرمایا ہے کہ ہندوستانی زبان سے مراد وہ زبان ہے، جسے شمال مین دہلی سے پٹنہ تک اور وسط ہند مین جبل پور اور جبل پور کے اطراف کے پڑھے لکھے لوگ بولتے ہین، گویا آپنے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ زبان کا معیار وہی ہے جو پڑھے لکھے طبقہ مین رائج ہو، اس کے بعد آپنے فرمایا ہے کہ ہماری اس زبان کو کسی نے جبراً ہم پر تھوپا نہین ہے، بلکہ اپنی خوبیون کی وجہ سے یہ قدرتی طور پر ہماری زبان بن گئی ہے، آپنے اس کی تدریجی ترقی پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ چند ربردائی، کبیر، سور، تلسی اور ودیا پتی کی زبان ہی

---

[۱] شری سمپورنانند جی جو آج سرے سے اردو زبان کے وجود ہی کے منکر ہین، اس کے حق مین ہمیشہ سے ایسے بے وفا نہ تھے، کبھی اردو سے بھی اُن کی رسم و راہ تھی، اور وہ اردو اور ہندوستانی کو مستقل زبان مانتے تھے، فصیح اردو مین مضامین لکھتے تھے، اور قومی زبان کے مسئلہ مین بھی اُن کے پرانے خیالات آج کے خیالات سے بالکل مختلف تھے، چنانچہ اپنی پہلی وزارت تعلیم کے زمانہ مین اس بھولے اس مسئلہ پر مدینہ کے جوبلی نمبر مین جو اپریل سنہ ۱۹۳۹ء مین شائع ہوا تھا، ایک مضمون لکھا تھا، ان کی یاددہانی کے لئے اس بھولے بسرے ہوئے مضمون کو مع مدینہ کے نوٹ کے نقل کیا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ اردو اور قومی زبان کے مسئلہ مین اُن کے اصل اور پرانے خیالات کیا تھے، اور پندرہ سولہ برس کے عرصہ مین کس قدر بدل گئے، بلکہ متضاد ہوگئے ہین، "م"

ترقی کرتے کرتے آہستہ آہستہ میرؔ، ذوقؔ اور غالبؔ کی زبان بنی ہے، لیکن بعد میں آپنے زبان کے دو ٹکڑے کرکے میرؔ، ذوقؔ کو ایک طرف اور سوداؔ اور تلسیؔ کو دوسری طرف کھڑا کر دیا ہے،

آپنے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بیچ میں یہ طریقہ چل پڑا کہ جس زبان میں سنسکرت کے الفاظ زیادہ ملے ہوئے ہوں، اسے ہندی کہا جائے، اور جس میں عربی فارسی الفاظ کی کثرت ہو اُسے اردو کہا جائے، لیکن یہ بتانے سے احتراز کیا ہے کہ اس طریقہ کو چلانے کی ذمہ داری کس پر ہے، یعنی وہ کونسی تحریک تھی، جس نے ہندوؤں میں چکبست، پریم چند، اور رتن ناتھ سرشار جیسے لوگوں کو پیدا کرنا بند کر دیا،

آپنے یہ بھی تسلیم کیا ہے، کہ آج کل سیاسی یا مذہبی بنیادوں پر ایسے الفاظ کا استعمال بھی ہوتا ہے جو عام طور پر نہیں بولے جاتے لیکن اس کی ذمہ داری آپنے ہندی بولنے والوں کے ساتھ ساتھ اردو بولنے والوں پر بھی ڈالی ہے، حالانکہ اگر اردو ہندی کے گذشتہ پچاس سالہ لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ اردو لکھنے والے روز بروز عام فہم زبان لکھنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ہندی لکھنے والے دن بدن زبان کو سنسکرت بناتے چلے گئے، اور اب بھی جو لوگ سازش کو سازش کہتے ہیں، وہ آج نہیں آج سے پچاس برس پہلے بھی یہی لفظ بولتے تھے، البتہ اب ایک طبقہ نے مت بھید بولنا شروع کیا ہے، اس لئے یہ فیصلہ کچھ مشکل نہیں کہ سیاسی اور مذہبی باتوں کا خیال کس طرف پایا جاتا ہے،

آپنے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ پرانی اردو یا پرانی ہندی کے حامی ہیں، وہ ملک کی ادبی ترقی کے دشمن ہیں، لیکن شاید اس پر غور نہیں فرمایا کہ ہندی نام ہی اس زبان کا ہے، جو روز بروز پیچھے کی طرف لیجائے، حالانکہ اردو لٹریچر کا اگر سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پچاس برس پہلے کی جو اردو تھی، وہ آج بالکل بدل گئی ہے، لیکن ہندی روز بروز سنسکرت کی طرف دوڑی چلی جارہی ہے،

آخر میں آپنے فرمایا ہے کہ ہمیں سنسکرت کے الفاظ بھی ہم معنی الفاظ کے طور پر زبان میں لے لینا چاہیں، حالانکہ آپ اس حقیقت سے بےخبر ہوں گے کہ اس وقت سوال دس بیس مرادف الفاظ کا نہیں بلکہ

زبان کے سارے کے سارے الفاظ کا ہے،

اگرچہ شروع میں آپنے ہندستان کی قومی زبان وہ زبان قرار دی ہے جو شمال میں دہلی سے پٹنہ تک اور وسط ہند میں جبل پور کے پڑھے لکھے حلقوں میں بولی جاتی ہے، لیکن آہستہ آہستہ آپنے اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ ہندوستانی زبانیں دو ہیں، ایک وہ جسے ہندو بولتے ہیں، اور دوسری وہ جسے مسلمان بولتے ہیں، چنانچہ یہ مضمون آپنے غالباً مسلمانوں کی ہندستانی میں لکھا ہے، اپنی اس رائے کو آپنے یوں ثابت کیا ہے کہ مسلمان بچہ ابتدا ہی سے عربی فارسی کے الفاظ سنتا ہے، اور ہندو بچہ سنسکرت کے، لیکن آپنے یہ نہیں بتلایا کہ یہ اختلاف گذشتہ بیس پچیس سال ہی سے کیوں ہوا، اس سے پہلے ہندو اور مسلمان دونوں تحریر و تقریر ہر لحاظ سے ایک ہی زبان کیوں بولتے تھے،

بہرحال اس مضمون کے مطالعہ سے موجودہ ہندی تحریک کے ایک سب سے بڑے ذمہ دار رہنما کے خیالات کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے،"

(اڈیٹر)

کوئی بھی ملک ہو اس کی قومی زبان تو وہی زبان ہوسکتی ہے، جس کو وہاں کے زیادہ تر رہنے والے سمجھتے اور بولتے ہوں، اسی زبان کو ملک کی سرکاری اور عدالتی زبان ہونے کا بھی حق ہے، اگر کبھی کبھی حکومتیں اس قدرتی حق کو ٹھکرا کر کسی دوسری زبان کو یہ درجہ بخش دیا کرتی ہیں، بلکہ یہ بھی امید کرتی ہیں کہ اُن کی سرکاری زبان ملک کی قومی زبان بن جائے گی، اس کی مثالیں ہمارے ملک کی تاریخ سے بھی مل سکتی ہیں، پٹھان اور مغل بادشاہوں کا فارسی کو درباری اور عدالتی زبان بنانا، اور انگریزوں کا انگریزی کو دفتروں، عدالتوں اور تعلیم گاہوں میں رائج کرنا اسی قسم کی کوششیں ہیں، یہ کوشش عموماً ناکامیاب ہوتی ہے، اگر سرکاری زبان رعایا کی زبان پر گہرا اثر چھوڑ جاتی ہے،

ہماری ملکی زبانوں میں ہندوستانی زبان ہی جس سے میری مراد اُس زبان سے ہے جسے

اتری ہندوستان یعنی دہلی سے پٹنہ اور دکھن مین جبل پور تک پڑھے لکھے آدمی بولتے ہین، قومی زبان ہو سکتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ زبان آپ ہی آپ قومی زبان بن گئی ہے، اوس کو قومی زبان بنانے کی کچھ کوشش ضرور ہوئی ہے، آریہ سماج، ریاست حیدرآباد، ہندی ساہتیہ سمیلن اور کانگریس نے اس سلسلہ مین نمایان خدمت کی ہے، مگر دراصل یہ زبان کچھ تو اپنی خوبیون اور کچھ تاریخی واقعون کی بدولت ہی اس درجہ پر پہنچ گئی، یون اس ملک مین کچھ اور زبانین (مثلاً تامل) بھی ہین جن کا لٹریچر اچھا ہے، مگر کسی زبان کا خزانہ اتنا بھرپور نہین ہے، ہزار سوا ہزار برس ہوے سنسکرت کا سہرا اس کے سر پر چڑھا، بڑے بڑے فقیرون اور شاعرون مثلاً چند بردائی، کبیر، سور، تلسی، ودیاپتی، کیشو، ملک محمد جائسی، رحیم، بھوشن، رسکھان، نانک، پدماکر، آتش، میر، ذوق، غالب، سودا، داغ، ہرش چندر، نسیم وغیرہ نے اپنے خیالات کا اس کے ہی ذریعہ سے اظہار کیا، اس خطہ مین ہندوؤن کے بڑے بڑے تیرتھ ہین، لہذا لاکھون آدمی ہر سال یہان آتے ہین، اور کچھ نہ کچھ یہان کی زبان اپنے ساتھ ملک کے کونے کونے تک لیجاتے ہین، یہی صوبہ آج ہزارون برس سے شہنشاہیت کا مرکز رہا ہے، اس نے موریہ اور شنگ، گپت، اور ہرش، اور دھن، پٹھان اور مغل سلطنتون کا عروج اور زوال دیکھا ہے، یہی وہ کھنڈر ہین جو پانڈوؤن کی شان و شوکت کی شہادت دیتے ہین، یہین دہلی اور آگرہ کے قلعے ہندوستان کی اس عظمت کی یاد دلاتے ہین، جو چراغ سحری کی طرح بجھ کر پھر روشن نہ ہوئے، یہین آج بھی ہندوستان کے بدیشی حاکمون کا دار السلطنت ہے، اس لئے یہان کے تمدن، یہان کی تہذیب اور یہان کی زبان کا سارے ملک مین پھیل جانا ایک قدرتی بات تھی، اس لئے اگر کوئی زبان یہان کی ملکی زبان ہونے.... کی اہلیت رکھتی ہے، تو وہ یہ ہندوستانی زبان ہی ہے،

اس زبان کے لئے یہ نام نیا ہے، دراصل اس کا نام کیا ہونا چاہئے، اس کی بابت دو قسم کی رائین سُنی جاتی ہین، میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس کو ہندی کہنا چاہئے تھا، ملک کی زبان مین غیر ممالک کے الفاظ کے مل جانے سے اس کا نام نہین بدلا کرتا، ہزارون فرنچ، اور لاطینی، اور گریک الفاظ کے باوجود بھی

انگلستان کی زبان انگریزی ہی کہلاتی ہے، عربی الفاظ کے ..... داخل ہونے پر بھی ایران کی زبان ایرانی یا فارسی کہلاتی ہے، برما سے پورب کی طرف سیام کی زبان مین قریب ۸۰ فی صدی سنسکرت کے الفاظ ہین، مگر وہ زبان سیامی ہی کہلاتی ہے، اسی طرح پر ہماری زبان کو بھی چاہے اس مین کتنے ہی غیر ہندی لفظ شامل ہون، ہندی ہی کہنا مناسب تھا، مگر بیچ مین یہ دستور چل پڑا کہ اگر اس زبان مین سنسکرت سے نکلے ہوئے الفاظ کچھ زیادہ استعمال کئے جائین تو اُسے ہندی کہا جائے، اور فارسی عربی کے الفاظ اگر کچھ زیادہ استعمال کئے جائین تو اردو کہا جائے، اسی مصیبت سے بچنے کے لئے ہندوستانی نام رائج کیا جا رہا ہے، اور مین بھی اسے بحالت مجبوری منظور کرتا ہون،

زبان کے الفاظ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستانی کی صورت کیا ہو، محض اتنا کہنا کافی نہین ہو سکتا کہ ہندوستانی وہ زبان ہے جسے یہان کے عوام بولتے ہین، اگر عوام سے مطلب دیہات کے لوگون سے ہو تو یہ ماننا ہوگا کہ سب جگہ دیہاتون مین ایک ہی طرح کی بولی رائج نہین ہے، بلیا، بنارس، لکھنؤ، الہ آباد، جھانسی، متھرا، میرٹھ اور گڑھوال مین مادہ ایک ہوتے ہوئے بھی فعلون وغیرہ کی صورت مین فرق ہے، پھر ان لوگون کی بول چال کا مضمون بھی معمولی ہوتا ہے، اس مین کوئی خاص ادبیت نہین ہوتی، اس لئے ہم کو پڑھے لکھون کی زبان کی طرف ہی توجہ دینی ہوگی، حقیقت یہ ہے کہ سب پڑھے لکھے آدمی سب کامون کے لئے ایک ہی قسم کے الفاظ سے کام نہین لیتے، عدالتی کامون کے لئے سبھی لوگ مدعی، مدعا علیہ وغیرہ لفظون سے کام لیتے ہین، اور روزگاری باتون مین بھی کھاتا، درشنی ہنڈی وغیرہ لفظ مستعمل ہوتے ہین، دقت اس وقت پڑتی ہے، جب سیاسی یا فلسفہ یا سائنس سے تعلق رکھنے والے مضامین یا ادبی مضامین پر لکھنا بولنا ہوتا ہے، ایسے موقعون پر کچھ لوگ تو سنسکرت اور کچھ لوگ عربی فارسی کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مین جانتا ہون اس مین کبھی کبھی تصنع بھی ہوتا ہے یا اپنی قابلیت دکھلانے یا مذہبی یا سیاسی تعصب کی وجہ سے بھی ایسا ہی ہوتا ہے، مگر بسا اوقات تو یہ بات فطری طور پر ہوتی ہے، مسلمان بچہ شروع سے عربی فارسی کے لفظ سنتا ہے، شادی، غمی، روزہ، نماز، زکوٰۃ، میلاد، ہر موقعہ پر

ایسے لفظوں کو سنتا اور بولتا ہے، وہ ان لفظوں سے بھری ہوئی زبان کو ہی درست اور عام فہم سمجھنے لگتا ہے ٹھیک اسی طرح بچپن سے سنتے سنتے ہندو بھی سنسکرت آمیز زبان کو سمجھنے لگتا ہے، وہ مسلمان اس ہندو کی زبان کو اور یہ ہندو اس مسلمان کی زبان کو بناوٹی تصور کرتا ہے،

دو زبانیں

آخر اس کا کیا علاج ہے؟ ایک تو جاہلوں کا طریقہ ہے کہ جہاں کوئی ہندو اپنے طریقہ پر بولے مسلمان ٹوک دیں اور کہیں کہ ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے ہندوستانی بولئے ادھر مسلمان کو روک کر ہندو ایسا ہی کہنا شروع کر دیں لیکن یوں تو معاملہ کبھی بھی حل نہیں ہو سکتا، دوسرا طریقہ کمزوری کا ہے یعنی زبان میں سے چن چن کر عربی فارسی یا سنسکرت کے لفظ نکال دئیے جائیں تیسرا طریقہ وہ ہے جسکو میں پسند کرتا ہوں اور وہ یہ کہ میں دونوں کو ہندوستانی سمجھتا ہوں یکم فروری کے مدینہ میں ایک صاحب نے منظوم شکایت پیش کی ہے کہ اردو کی جگہ ہندی کے لفظ زبردستی رکھے جا رہے ہیں اگر کوئی زبردستی کرنا چاہتا ہے تو اسکی غلطی ہے ساتھ ہی اگر کوئی یہ کہنا چاہتا ہے کہ زبان میں کسی خاص معنی میں کوئی ایک ہی لفظ رہے گا خواہ وہ سنسکرت سے نکلا ہو یا عربی فارسی سے تو یہ بھی حماقت ہے اسی نظم میں دی ہوئی مثالوں کو لیکر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں تو علم اور ودیا تعلیم اور شکشا رسم اور رواج آمد پرتھا انتظار اور پرتیکشا دونوں کو ہی ہندوستانی مانتا ہوں یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ فلاں صاحب اپنی تقریر یا تحریر میں ایسی زبان بول جاتے ہیں جس کو بہت سے ہندو نہیں سمجھتے میں دعوی کیساتھ کہتا ہوں کہ بہت سے مقررین اور نامہ نگاروں کی اردو ایسی ہوتی ہے کہ اسے بہت کم مسلمان بھی نہیں سمجھ سکتے مگر یہ مسئلہ یوں طے نہ ہوگا، آخر انگریزی میں تاریخ گریک اور اینگلو سیکسن سے نکلے ہوئے ایک ہی معنی کے کئی لفظ مستعمل ہوتے ہیں، یہی ہم کو بھی کرنا ہوگا، اس سے ادب کو ترقی ہوتی ہے کسی مضمون میں بار بار ایک ہی لفظ کو دہرانے کے مقابلہ میں مختلف لفظوں کے استعمال کرنے سے زبان کی خوبصورتی بڑھتی ہے،

اس سلسلہ میں اُن لوگوں پر جو اخبار نویس یا سیاسی جماعتوں کے لیڈر ہیں بہت بڑی ذمہ داری ہے یہ آواز اٹھانا کہ ہندی یا اردو پر حملہ ہو رہا ہے غلطی ہے جو لوگ پرانی ہندی یا پرانی اردو کے حامی ہیں وہ ملک کی ادبی ترقی کے دشمن ہیں ہم کو تو اس ہندوستانی کی ترقی کرنی ہے جس میں دونوں دھارائیں ملتی ہیں اور ملکر ایک ہو جاتی ہیں، میرا تو خیال ہے کہ ہندوستانی کی ترقی میں اس وقت سب سے زیادہ مدد وہ لوگ دے سکتے ہیں جو سنسکرت اور فارسی دونوں سے واقف ہیں،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیب سر محمد اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۰)

لاہور - ۲۳ ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی: السلام علیکم

آپکے دونوں نوازش نامے مل گئے جن کے لئے سراپا سپاس ہوں، میں بخار میں مبتلا تھا اس لئے جواب نہ لکھ سکا، اس کے علاوہ ٹیک چند بہار کی ابطال ضرورت میرے پاس لاہور میں موجود نہ تھی، اس رسالہ میں لفظ کلمہ پر بحث ہے، دیکھ کر جواب عرض کروں گا، اور باقی اسناد بھی لکھوں گا،

"سیر" فارسی میں ان معنوں میں آتا ہے، سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن، بلکہ سیر دیدن بھی،

عمرہا صائب بشہرِ عقل بودم کوچہ بند — مدتے ہم با غزالان سیر صحرا می زنم

مخلص کاشی،

تماشا دارد اے مہ با تو سیرِ گلستان کردن — کہ از شرمِ رخت ہر گل بخندد از رنگ خراشیدہ

لفظ نعرہ حیوانات کی آواز کے لئے بھی آتا ہے، اس وقت نعرۂ اسپ کی سند موجود ہے، اور مجھے

یاد ہے، شیر کے لئے بھی مستعمل ہوا ہے، انشاء اللہ عرض کرون گا، مگر مین نے اور وجوہ سے اس شعر مین ترمیم کردی ہو اس مین کچھ شک نہین کہ غریدن بہت بہتر ہے،

دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہین، اور دشت کے لئے ضرور نہین کہ بالکل خشک ہو،

پیرس از آتشِ رنگ کہ ہمسایہ شش   ہزاران دشتِ لالہ وا غدا ریشش

(یحییٰ شیرازی)

دشت در معنی آبادی و ویرانہ آیا ہے، اور معنی کلیت کے پیدا کرتا ہے، مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہین کہ مین نے مردود اشعار زیر بحث مین ترمیم کردی ہے، دشت ورا ایسا ہی ہے جیسے کوہ و دشت پست و بلند سے تقطیع بھی نہین گرتی، آپنے مصرع صحیح نہین لکھا:

ع نعرۂ زد شیرے در دامانِ دشت

نہین بلکہ ع: "نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت"

ہے، باقی باتین انشاء اللہ دوسرے خط مین عرض کرون گا،

جس توجہ سے آپنے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے، اس کے لئے نہایت شکر گذار ہون، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

مخلص محمد اقبال، لاہور،

(۱۱)

لاہور - ۳۰ راکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی! السلام علیکم،

اسنادِ حسبِ وعدہ حاضر ہین،

(۱) ع   از گلِ غربت زبان گم کردۂ   (رموز)

آپ کا ارشاد اس مصرعہ پر یہ تھا کہ "از گل" بمعنی بدولت اچھے معنون مین آتا ہے، بُرے معنون مین نہین آتا، بہارِ عجم مین زیرِ لفظ "گل" یہ محاورہ بھی دیا ہے، اور اشعار بھی دیئے ہین،

ع: زیر دستِ چرخ بودن از گلِ بے فطرتی ست

(۲) ع   محفلِ رنگین بیک ساغر کند   (رموز)

نہ ہمنا و دولت گردشِ چشمِ تو می سازد
بیک پیمانہ رنگین کردہ یک شہرِ محفلہا   (ناصر علی)

(۳) ع "سرمۂ او دیدۂ مردم شکست"   (رموز)

چشم و گوش شکستن، یعنی نابینا شدن   (بہارِ عجم)

ع: "ترسم ز گریۂ چشم گہر بار بشکند" الخ   (صائب)

(۴) عشق را داغے مثالِ لالہ بس   در گریبانش گلِ یک نالہ بس   (رموز)

گلِ نالہ پر آپ کا ارشاد تھا،

چنگے بتارِ نغمۂ قانونِ شیر زن   گلبرگِ نالہ بگریبانِ دل فشان

(زلالی)

(۵) ز آسمانِ آبگونیم می چکد   من ز جو باریک تر می سازمش الخ   (رموز)

لفظ "باریک" پر آپ کا ارشاد تھا کہ صحیح نہین، باریک بمعنی کم در عرض و عمق بھی آیا ہے،

نازک تر است از رگِ جان گفتگوے من   باریک شد محیط چون آمد بجوے من   (صائب)

از تواضع می توان مغلوب کردن خصم را
می شود باریک چو سیلاب از پل بگذرد

(۶) - گو رندان داستانہا ساختند" الخ   (رموز)

"کور ذوق" کی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ بے مزہ ترکیب ہے،

چہ غم زین عروسِ سخن را بتر　　　کہ بر کور ذوقان شود جلوہ گر　　(ظہوری)

کور ذوقان ز فیضِ تربیتت　　　چون مسیحا مزاجدانِ سخن　　(ملا طغرا)

۷۔ نوا بالیدن، ع تا نوائے یک اذان بالیدہ است　　(رموز)

ع تا چند بنالہ نفس اندو نوایم　　(بیدل)

۸۔ بحرِ تلخ رو، بود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت،　　(رموز)

تلخ رو بحر کی صفات مین آتا ہے،　　(بہارِ عجم)

۹۔ نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت　　(رموز)

منجملہ ارشادات کے ایک یہ ارشاد تھا کہ لفظ نعرہ شیر کے لئے ٹھیک نہین، بہارِ عجم مین ایک شعر دیا ہے جس مین نعرہ اسپ لکھا ہے،

بابر ماند، چو پے بر نہاد و نعرہ کشاد　　(معز فطرت)

۱۰۔ سازِ برق آہنگ اندر ساختہ (رموز) آپ کا ارشاد تھا کہ سازِ برق صحیح نہین لیکن مصرع مین ساز کی صفت برقِ آہنگ ہے، اور برقِ آہنگ ساز کی صفت آتی ہے، (بہارِ عجم زیر لفظ ساز)

۱۱۔ ہم چو صبح آفتاب اندر قفس (رموز) آپ کا ارشاد تھا کہ صبح کے لئے آفتاب کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ترکیب مرزا بیدل کی ہے، مین نے اس کے لئے محلِ استعمال نہین پیدا کیا ہے، یعنی کعبۃ اللہ کے گرداگرد جب ملت بیضا نماز پڑھتی ہے، یا طواف کرتی ہے، تو یہ نظارہ صبح آفتاب در قفس سے مشابہ ہے؛

ملتِ بیضا بہ طوفش ہم نفس　　　ہم چو صبح آفتاب اندر قفس

۱۳۔ اے بصیری را ردا بخشندہ (رموز)

بصیری کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ حضورؐ نے بصیری کو جو جذام مین مبتلا تھا، اپنی چادر مطہر خواب مین عطا فرمائی تھی جس کے اثر سے اُس نے جذام سے نجات پائی، بعض لوگون مین قصیدۂ بصیری، قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہے،

۱۳۔ من شبِ صدیق را دیدم بخواب　　　گل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب

دوسرے مصرع پر آپ کا یہ ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہئے، اور "گل ز خاکِ راہِ او چیدم" کیا مطلب؟ یہ واقعہ خواب کا ہے، جو خواب مین دیکھا گیا، بعینہٖ اسی طرح نظم کر دیا گیا،

۱۴۔ باز بانت کلمۂ توحید خواند، "لفظ کلمہ کے متعلق بھی لکھون گا، افسوس ہے ابطالِ ضرورت دستیاب نہین ہوئی، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں اس لفظ پر بحث ہے، بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے تحریک و بسکون دونون طرح استعمال کیا ہے، انھون نے گنی کر دی ہے، مثلاً "ہب ارنی" "رمضان" "حرکت" "متوازی" "دقران" وغیرہ، اس کا بسکون استعمال ہونا یقینی ہے، انشاء اللہ عرض کرونگا جواہر الترکیب مین چا تو فتحہ بسکون لام آیا ہے،

۱۵۔ فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند　　　ہم خیال و ہم نشین و ہمسر اند

(رموز)

لفظ ہم خیال کی نسبت آپ کو شبہ تھا

یاد آیامے کہ با ہم آشنا بودیم ما　　　ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما

لیکن مین نے یہ لفظ شعر سے نکال دیا ہے،

۱۶۔ بائے بسم اللہ حضرت علیؓ کے نئے قاآنی نے لکھا ہے، اور میم مروت مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار مین لکھا ہے، مین نے "میم مرگ" لکھا تھا،

۱۷۔ قاآنی کے متعلق جو کچھ اپنے لکھا صحیح ہے، قاعدہ یہی ہے جو آپ تحریر فرماتے ہین، مولانا روم ان باتون کی پروا نہیں کرتے، ظہوری کے دو شعر جو زیرِ نظر تھے عرض کرتا ہون؛

گل شوم از آب و گل بر دمد
برقصی از سینۂ دل جہد

چو از چشم جادو بجا دو ردود
باعجاز پہلو بہ پہلو زند

دوسرا شعر کسی قدر مشتبہ ہے، کوئی اور اڈیشن ساقی نامہ کی دستیاب نہیں ہوئی، ورنہ مقابلہ کرتا، بہرحال قاعدہ کی خلاف ورزی کئے بغیر اگر شعر لکھا جاسکتا ہو تو قاعدہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے انشاء اللہ ان قوانی پر نظر ڈالا کرون گا،

۱۸- درنہ، ودرہ خیال وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے لیکن ان الفاظ کے متعلق پھر بھی کچھ عرض کرون گا،

۱۹- شاہ دم آگاہ شد مجو نماز
خیمہ برزد از حقیقت در مجاز

نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت
دشت دور از ہیبتش لرزندہ گشت

ان اشعار کے متعلق جو کچھ آپ کا ارشاد ہے، اس سے مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اتفاق نہیں کرتے لیکن فی الحال ان پیش کردہ اسناد سے مجھے تسکین نہیں ہوئی، دو چار روز تک نتیجہ عرض کرونگا، ان اسناد کو ملاحظہ فرمائیے، اور بتائیے کہ کونسی صحیح اور کونسی غلط ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا،

والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال لاہور (باقی)

مکاتیب شبلی حصۂ اول و دوم

مولانا مرحوم کے دوستوں عزیزوں شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، قیمت جلد اول ۱۲؍ دوم ۱۲؍

"منیجر"

ادبیات

سید الملت کا ماتم

آہ! استاذی سید سلیمان ندوی

از پروفیسر سید ظفر الدین صاحب ندوی

اُٹھ گیا دنیا سے آج اک عالم عالی وقار
بزم گیتی میں جو یکتا مثل در شاہوار

ہائے قسمت ہو گیا وہ آج پیوند زمین
حکمت علم و ادب کی جس کے تھی زیر نگین

داغ فرقت دے گیا سب کو بڑا سیرت نگار
علم و عرفان کا جو تھا اک بحر نا پید اکنار

وہ سلیمان، جان نثار رحمۃ للعالمین
راہی ملک بقا ہے جانب عرش بریں

لیلیٰ اسلام کا مجنون، وہ شیدائے رسول
تھا ریاض دین و ملت کا جو اک شاداب پھول

وہ سلیمان زمان، وہ سید والا گہر
تھا خلائق کے دلوں پر جس کا عالمگیر اثر

زندگی اُس کی رہی مجموعۂ علم و عمل
عمر بھر وہ زہد و تقویٰ میں رہا ضرب المثل

خاتم ہستی کا تھا وہ ایک تابندہ نگین
جس سے روشن ہند و پاکستان کی تھی سرزمین

وہ مجدد تھا بلا شک اور محقق بالیقین
بزم ہستی میں اب ایسا اک مورخ بھی نہیں

تھا وہ اسلامی تواریخ و تمدن کا امام
کامل فقہ و حدیث اور ماہر علم کلام

مقتدائے دین و مذہب منتہائے علم و فن
وہ ادیب باکمال اور وہ شہنشاہ سخن

عقل و حکمت سے ہو پُر مرحوم کی ہر بات تھی
شرق سے تا غرب جس سے ساری دنیا فیضیاب

تھی زبان اس کی فصیح اور خامہ تھا معجز رقم ۔۔۔ خوشہ چین اس کے رہے اہلِ عرب اہلِ عجم

ہر نفس اُس کا تھا لوگون کیلئے روحِ حیات ۔۔۔ اس سے گمراہون کو ملتی تھی معاصی سے نجات

منبعِ لطف وکرم، سرچشمۂ صدق وصفا ۔۔۔ پیکرِ رشد و ہدایت، اہلِ تسلیم ورضا

رحلت اس کی سانحہ ہے جانگداز و دلخراش ۔۔۔ ہو گئے سب اہلِ درد کے کلیجے پاش پاش

کیون نہ ہون اہلِ معارف سب کے سب ماتم کُن ۔۔۔ سچ تو یہ ہے، ہین زمین وآسمان بھی اشکبار

دے جگہ سیّد کو فردوسِ برین مین اے خدا
بخش دے مرحوم کو، یہ ہے مظفر کی دعا

قطعات

انّہ من سلیمان وانّہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

از حکیم الشعرا امجد حیدرآبادی

سلیمانِ سریرِ علم وحکمت ۔۔۔ روان شد سوے عرشِ ربِّ اعلیٰ[1]

بآب دیدہ سالش نوشتم ۔۔۔ علیہ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ ۱۳۷۳ھ

اصلیت اگر نہین تو دھوکا ہی سہی ۔۔۔ اللّٰہ بہت نہین، تو تھوڑا ہی سہی

تسکین کی آخر کوئی صورت بھی تو ہو ۔۔۔ رویت ممکن نہین تو رویا ہی سہی

دل شاد اگر نہین، تو ناشاد سہی ۔۔۔ لب پر نغمہ نہین، تو فریاد سہی

ہم سے دامن چھڑا کے جانے والے ۔۔۔ جا، جا گر تو نہین تری یاد سہی

کیا جانیے وہ نور تھا یا سایہ تھا ۔۔۔ شعلہ سا کسی نے دل مین بھڑکایا تھا

آیا کس وقت یہ تو معلوم نہین ۔۔۔ جاتے ہوئے کہتا ہے کہ مین آیا تھا

---

[1] یہ قطعہ عالمِ خواب مین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا گیا، اسے سُن کر سبحان اللہ فرمایا،

مطبوعاتِ جدیدہ

الزبیر مؤلفہ جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۸ صفحات کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت چار روپیے، پتہ (۱) منشی صدیق احمد زبیری مکان نمبر ۳۵ محلہ سراے خیر نگر میرٹھ (۲) مولوی حسین احمد صاحب زبیری آشیانہ کوچہ حبیب علی شاہ کٹل منڈی حیدرآباد دکن، (۳) مولانا محمد زبیر صاحب زبیری فرحت منزل بدرباغ سول لائن علی گڈھ،

مسلمانون کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر حیثیت سے اسوۂ عمل صحابہ کرام کی زندگی ہے، اس لئے سب سے پہلے دار المصنفین نے سیر الصحابہ کے نام سے دس بارہ جلدون مین صحابہ کرام کے حالات شائع کئے، اس سے اُن کی سیرت نگاری کا عام مذاق پیدا ہو گیا، اور اس کے بعد بہت سے صحابہ کرام کی سیرتین لکھی گئین، صحابہ کی جماعت مین حضرت زبیر بن عوام اپنے مخصوص فضائل اور کمالات کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتے ہین، اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد قرابتون کا شرف حاصل تھا، اور تاریخ اسلام مین اُن کے بڑے کارنامے ہین، اس لئے لائق مصنف نے جو زبیری قبیلہ سے تعلق رکھتے ہین، حضرت زبیرؓ کے حالات مین الزبیر لکھی ہے، حضرت زبیرؓ عہد نبوی سے لیکر جنگ جمل تک تقریباً تمام غزوات وفتوحات اور جنگی وسیاسی مہمات مین شریک رہے، اور اس سلسلہ مین ان کے بڑے کارنامے ہین، اس لئے اُن کے سوانح مین اس دور کی پوری تاریخ اور ان کے ذاتی حالات اُن کے فضائل وکمالات اور اُن کے دینی واسلامی خدمات کی پوری تفصیل آگئی ہے، کتاب کے آخر مین آل زبیر کے حالات ہین، اور ہندوستان کے زبیریون کو ان کی جانب منسوب کیا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی جامع ہے، اور اردو مین حضرت زبیرؓ کے اس سے زیادہ

مفصل حالات نہین مل سکتے، مگر اس جامعیت مین بہت سی غیر ضروری باتین بھی آگئی ہین، جن سے کتاب کے حجم مین اضافہ کے سوا کوئی خاص فائدہ حاصل نہین ہوتا، روایات کے قبول کرنے مین بھی تحقیق و تنقید سے کام نہین لیا گیا ہے، اور کتاب کی غیر ضروری طوالت پڑھنے والے کو اکتا دیتی ہے، مصنف نے حسن انشاء سے بھی اس گرانی کو دور کرنے کی کوشش نہین کی ہے، مگر ان خامیون کا اثر کتاب کے افادہ پر نہین پڑتا، اور وہ مجموعی حیثیت سے مفید اور مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے،

مزدور اور اسلام از جناب پرواز اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۲ صفحات، کاغذ، کتابت طباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ:۔ (۱) مکتبہ اسلام لہریا سرائے دربھنگہ (۲) مکتبہ دانش مزنگ لاہور،

دنیا کے موجودہ اہم مسائل مین ایک نیا مسئلہ سرمایہ دارون اور مزدورون کی کشمکش کا بھی ہے، اسی نے کمیونزم کو جنم دیا، مگر وہ بھی اس مسئلہ کو حل نہ کر سکی، اور خود سوویٹ یونین مین مزدورون کی حالت دنیا کے عام مزدورون سے کچھ بہتر نہین ہے بلکہ اس نے تو پیٹ کی روٹی کے عوض ان کی ہر قسم کی آزادی کو سلب کر لیا ہے، اسلام نے اس مسئلہ کو معاشی نقطۂ نظر کے بجائے انسانی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے حل کرنے کی کوشش کی اور سرمایہ دار اور مزدور کے حقوق و فرائض متعین کر کے ان کے درمیان کشمکش کا امکان ہی ختم کر دیا، تھا اگر آج بھی ان قوانین پر عمل کیا جائے تو ایک بڑے فتنہ کا خاتمہ ہو سکتا ہے، مصنف نے اس رسالہ مین اسلامی نقطۂ نظر سے سرمایہ دارون اور مزدورون کے حقوق و فرائض پر اجمالی نگاہ ڈالی ہے، فقہ کی کتابون مین اس مسئلہ کے . . . . مستقل ابواب و مباحث موجود ہین، مگر مصنف نے اس کو مضمون کی شکل مین لکھا تھا، اس لئے فقہی تفصیلات مین نہین پڑے ہین، اور صرف آیات قرآنی اور احادیث نبوی تک بحث کا دائرہ محدود کر رکھا ہے، مگر جو آیتین انھون نے نقل کی ہین، ان کا اس مسئلہ سے زیادہ تعلق نہین ہے، بلکہ ان مین صرف معاملات کے متعلق بعض قوانین

اور اخلاقی تعلیمات ہین، جن کا صرف اخلاقی پہلو کی حد تک مزدورون سے بھی تعلق ہو سکتا ہے، اسی طرح سے ان کی بیشتر نقل کردہ حدیثین آقا اور غلام سے متعلق ہین، جن کی حیثیت مزدور یعنی اجیر سے مختلف ہے، خالص مزدورون سے متعلق بہت کم حدیثین لکھی ہین، اور اس حدیث کا انھون نے مطلب صحیح نہین سمجھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ خدا کو کون سا عمل پسندیدہ ہے، فرمایا دوامی عمل اگرچہ قلیل ہو، اور فرمایا جس قدر تم بآسانی کام کر سکتے ہو، اتنے کا التزام کر لو، اس سے انھون نے مزدورون کے کام کے اوقات کی تعیین کا نتیجہ نکالا ہے، جو سراسر غلط ہے، اس حدیث کو مزدورون کے کام سے کوئی تعلق ہی نہین، بلکہ یہان عمل سے مراد اعمال عبادات ہین، تاہم اس کتاب سے سرمایہ دارون اور مزدورون کے حقوق و فرائض کے بارہ مین اسلامی نقطۂ نظر کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے،

جوامع الکلم لسید الامم | مترجمہ جناب حاجی محمد بن اسحاق صاحب حیدرآبادی تقطیع بڑی ضخامت ۲۱۵ صفحات کاغذ، کتابت و طباعت معمولی، قیمت باختلاف کاغذ عہ اور ہے، پتہ: عمارمی سنز نمبر ۱۱ مچھلی کمان حیدرآباد دکن،

حدیث کی مہمات اور متداول کتابون یعنی صحاح ستہ اور مسانید وغیرہ کے علاوہ ہر زمانہ کے علماء نے مختلف نقطۂ نظر اور مختلف مقاصد کے ماتحت احادیث نبوی کے مجموعے مرتب کئے ہین، ان مین سے ایک مجموعہ کتاب الشہاب فی الحکم والامثال والآداب ہے جامع ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ قضاعی مصری پانچوین صدی ہجری کے ایک مشہور اور صاحب تصنیف عالم ہین، اس مجموعہ مین آداب و اخلاق پند و موعظت اور امثال و حکم کی ایک ہزار سے زیادہ ایسی حدیثین ہین، جو مسلمانون کی دینی اور دنیوی دونون زندگیون مین رہنمائی کا کام دیتی ہین، اسلئے فاضل مترجم نے جوامع الکلم کے نام سے اصل متن کے ساتھ اردو مین اس کا ... ترجمہ کر دیا ہے، ہم نے جا بجا سے اس کو دیکھا ہے، ترجمہ صحیح اور صاف و سلیس ہے، کتاب کے آخر مین معنی و مفہوم کے لحاظ سے مندرجہ احادیث کا انڈکس بھی دیدیا گیا ہے، جس سے ان کے نکالنے مین سہولت ہوتی ہے، مجموعہ

اپنی دینی وافادی حیثیت سے مفید اور مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

تجلیات از جناب مولوی ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم اے ریڈر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت تحریر نہیں پتہ آزاد کتاب گھر کلان محل دہلی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، مشاہیر اسلام اور اسلامی تاریخ کے سبق آموز اخلاقی واقعات کو سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے اردو میں موثر اور دلکش انداز میں نظم کرنے کی ابتدا کی یہ نظمیں اتنی مقبول ہوئیں کہ بہتوں نے انکی تقلید میں اس قسم کی نظمیں لکھیں ان میں سے ایک مولوی ضیاء احمد صاحب بھی ہیں، وہ شعر وادب کا نہایت بلند مذاق، اور اس میں استادانہ دستگاہ رکھتے ہیں، اس لئے وہ اس طرز میں سب سے زیادہ کامیاب ہوئے، اور اُن کی نظمیں اپنی معنوی تاثیر اور شعری وادبی دلکشی کے لحاظ سے علامہ شبلی مرحوم کی نظموں کا ثمنی معلوم ہوتی ہیں، تجلیات انہی نظموں کا مجموعہ ہے، اس کے آخر میں بعض متفرق نظمیں اور مراثی بھی ہیں، یہ تمام نظمیں اپنے ظاہری ومعنوی محاسن کے لحاظ سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہیں،

جمہوریہ ہند کا دستور اساسی مؤلفہ جناب محمد ہاشم صاحب قدوائی لکچرار شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی،

قیمت :- ۱۲/ ، پتہ ایجوکیشنل بک ہاؤس حامد بلڈنگ سول لائن علی گڈھ،

لائق مؤلف نے کئی سال ہوئے اردو میں انڈین یونین کے دستور کا خلاصہ شائع کیا تھا، یہ کتاب اگرچہ نصابی ضرورت کے لئے لکھی گئی تھی، مگر وقت اور ضرورت کی چیز تھی، اس لئے عام شائقین میں بھی مقبول ہوئی، اور دو تین سال میں اس کے کئی اڈیشن نکل گئے، اب مؤلف نے مزید ترمیم اضافوں کے ساتھ تیسرا اڈیشن شائع کیا ہے، یہ اڈیشن پہلے دونوں اڈیشنوں سے زیادہ جامع اور مکمل ہے، اس کی ضخامت پہلے کے مقابلہ میں ڈیوڑھی ہوگئی ہے، جن لوگوں کو سیاسیات سے دلچسپی ہو یہ کتاب ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

"م"